اللہ کے محبوب

خواجہ شمس الدین عظیمی

تقاریر:

الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی

کتاب: اللہ کے محبوبﷺ

تقاریر: الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی

مرتبہ: ڈاکٹر محمد طارق عظیمی

پیشکش: مراقبہ ہال کوئٹہ

فہرست

تعارف

اقراء!

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر مشتمل علوم کی دستاویز ہے۔اللہ تعالیٰ نے جن تجلیات وانوارات پر کائنات تخلیق کی اور اس کا علم اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ان تخلیقی قوانین اور فارمولوں میں تسخیر کائنات کا علم پوشیدہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے علم اور حکمت کو اپنی نعمت بتایا اور اس نعمت کی تکمیل سرور کائنات، سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کی ہے۔آپ ﷺ کتاب و حکمت کی یہ نعمت عالمین میں تقسیم فرمارہے ہیں۔

قرآن پاک کی ابتدائی آیات غار حرا میں نازل ہوئیں جہاں حضرت محمد مصطفٰے ﷺ فطرت کی نشانیوں اور حقیقت کی تلاش میں غور و فکر فرمایا کرتے تھے۔آیات الٰہی پر تفکر انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت رہا ہے۔جب تفکر کے مسلسل عمل سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذہن مبارک مکمل طور پر یکسو ہوگیا اور روحانی حواس غالب آگئے تو قلب اطہر پر غیب روشن ہوگیا اور فرستادہ حق، حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس تشریف لے آئے۔

حضرت جبرائیلؑ نے آپ ﷺ سے فرمایا۔پڑھیئے! آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس پر حضرت جبرائیلؑ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سینہ سے لگایا اور دوبارہ کہا پڑھیئے! آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

اس طرح یہ مکالمہ اور عمل تین مرتبہ دہرایا گیا اور پھر سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابتدائی آیات پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک عربی میں نازل فرمایا جو سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مادری زبان ہے۔اگر قرآن پاک کی آیات کو محض دہرانا مقصود ہوتا تو آپ ﷺ اقراء دہرادیتے لیکن آپ نے اقراء دہرانے کی بجائے اس کے معنی و مفہوم سمجھ کر فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

اللہ زمین اور آسمان کا نُور ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نُورانی مخلوق ہیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں میں افضل و مقرب ترین گروہ کے سردار ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ نے تین مرتبہ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سینے سے لگا کر آپ کے سینہ مبارک میں نُور اور علم منتقل کیا۔ آیات مبارکہ پر غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی تخلیق سے متعلق آیات کا علم اللہ کے نُور پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منتقل کیا گیا۔

اقرا باسم ربک الذی خلق

پڑھیئے! اپنے رب کے نام سے جس نے تخلیق کیا

خلق الانسان من علق

انسان کو پیدا کیا کھنکھناتی مٹی سے

اقرا و ربک الاکرام

پڑھیئے! اپنے رب کے نام سے جو بڑا کرم والا ہے۔

الذی علم بالقلم

جس نے علم سکھایا قلم سے

علم الانسان مالم یعلم

انسان کو علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی ابتدائی آیات میں تخلیق کا علم سکھایا اور آخری آیات میں دین اور اپنی نعمت کی تکمیل کا بیان کیا ہے۔ ابتدائی آیات میں تخلیق کے دو مراحل یا رخ علیحدہ علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ پہلے مرحلے میں علم القلم کے تحت ارواح کی اولین تخلیق کا ذکر ہے۔ اس میں تمام انواع شامل ہیں۔ تخلیق کا یہ مرحلہ وسائل کے بغیر وجود میں آیا۔ دوسرے مرحلے میں انسان کے لئے ایک میڈیم 'علق' کا بیان کیا گیا ہے۔ علق عنصری وجود ہے جو روح انسانی کے لباس کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ انواع و موجودات میں صرف انسان ہی قابل تذکرہ مخلوق ہے۔ اس کی وجہ تخلیق کے مقصد سے انسان کا براہ راست تعلق ہے۔ تخلیق کائنات سے ذات کے اندر موجود لاشمار پوشیدہ صفات کا مظاہرہ ہوا۔ ان صفات کا علم صرف انسان کو سکھایا گیا ہے۔

معرفت اور حقیقت جاننے کی صلاحیت انسان کو عطا کی گئی ہے اور اسی شرف کی بناء پر وہ دیگر مخلوقات سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اللہ کی صفات کا علم بھی لا محدود ہے۔ کسی مخلوق میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اپنے وہم، گمان، خیال، ادراک، وجدان یا علم میں اللہ تعالیٰ کی ذات یا کسی صفت کا احاطہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا جزوی علم انسان کو عطا کیا گیا ہے جو کائنات سے متعلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ یہ قلیل علم بھی انسان کے لئے لا محدود وسعت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہیں۔ ذات باری تعالیٰ نے اس کائنات کو امر و خلق کے تحت تخلیق کیا۔ غیب کے علوم میں علم القلم، علم الکتاب یا علم الاسماء اور عالم امر کے قوانین و فارمولے شامل ہیں جبکہ عالم شہادت میں عناصر کے علوم کارفرما ہیں۔ صفات یا نُور کے تنزل سے روشنی، رنگ اور عناصر بنتے ہیں۔ قرآن پاک میں تخلیق کے دونوں رخ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ مادہ بھی اللہ کی تخلیق اور علم الٰہی ہے جو قلم، لوح، امر کے زون سے گزر کر عناصر کا رنگ و روپ اختیار کر لیتا ہے۔

پہلے مرحلے میں علم القلم کے تحت کن فیکون ہوا اور ارواح تخلیق ہوئیں۔ دوسرے مرحلے میں الست بربکم کہہ کر اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اپنی صفات کا مشاہدہ اور تعارف کرایا۔ تیسرے مرحلے میں احسن تقویم کے تحت ان صفات کا علم انسان کو سکھایا گیا۔ لیکن چوتھے مرحلے میں جب انسان عالم دنیا یا اسفل السافلین میں پیدا ہوتا ہے تو کائناتی شعور سے پست تر مادی شعور میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس طرح تخلیق۔۔۔۔۔ کتاب المبین، لوح محفوظ اور عالم مثال سے گزرتی ہوئی عالم دنیا کے مادی شعور میں داخل ہو جاتی ہے۔ اجتماعی شعور کے مقابلہ میں انسان انفرادی شعور میں اتنا محدود ہو جاتا ہے کہ روزِ ازل کیا گیا عہد، مشاہدہ اور علم الاسماء کے تحت نیابت و خلافت کا منصب اور علم پس پردہ چلا جاتا ہے اور انسان زمان و مکان کا پابند اور وسائل کا محتاج بن جاتا ہے۔

انسان کا مادی شعور اتنا محدود ہے کہ وہ مظاہر یعنی آسمان، سورج، چاند، آگ، پتھر حتیٰ کہ حیوانات کو بھی اپنا معبود تسلیم کر لیتا ہے۔ جبکہ فطرت کی آفاقی نشانیاں انسان کی عقل و شعور کو مادہ کے پس پردہ موجود ایک کائناتی حقیقت یعنی روح کے شعور و حواس کی آگاہی بخشتی ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو عالمین میں زمان و مکان سے آزاد اور وسائل پر حاکم ہے۔۔۔۔۔ صاحب امر کی حیثیت سے مخلوق پر حکمران، اللہ کا نائب اور خلیفۃالارض ہے۔

اسفل السافلین کے مادی شعور میں احسن تقویم کے روحانی اوصاف کی یاددہانی کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کا سلسلہ شروع کیا جو پیغمبر آخرالزمان، سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰﷺ کی عالم شہادت۔۔۔۔۔ یعنی دنیا میں آمد کے ساتھ مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات و واقعات پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ جس سے عالم شہادت اور عالم غیب کی تفہیم ملتی ہے۔

*اللہ کی طرف سے ایک نُور اور ایک روشن کتاب تمہارے پاس آچکی ہے۔

*ہم نے ایک کتاب اتاری تاکہ لوگوں کو ظلمات سے نُور کی طرف لے جائیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام تر تکالیف کو بیش بہا قربانیوں کے ساتھ برداشت کیا۔ یہ آپ ﷺ کا اعجاز و کمال ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن پاک میں موجود علم نوع انسانی تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ کر رکھا ہے اور قرآن کا سمجھنا بہت آسان کر دیا ہے۔ اقراء! کے ذریعے اللہ کے محبوب ﷺ نے نوع انسانی کو محدود و مقید اور مجبور و پابند شعور سے نجات دلا کر توحید پر جمع فرمایا۔ انسان کا رشتہ براہ راست اللہ سے جوڑ دیا اور یہ حقیقت دوبارہ نوع انسانی کے شعور میں آگئی کہ انسان کا اللہ سے براہ راست ایک رشتہ و تعلق ہے۔

*میں نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

*تم جہاں کہیں بھی ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔

*میں تو تمہارے اندر ہوں تم دیکھتے کیوں نہیں۔

*میں تو تمہاری رگ جان سے زیادہ قریب ہوں۔

زیر تفکر علم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک علم شریعت یا قال اور دوسرا علم معرفت یا حال کہلاتا ہے۔ دونوں علوم کا منبع قرآن پاک ہے جبکہ مقصد اللہ سے براہ راست ربط قائم کرنا ہے۔ شریعت سے جسم، لباس، جگہ کی کیفیات۔۔۔۔۔ سمت، رکعت اور اوقات کے تعین۔۔۔۔۔ نیت، تکبیر، قیام، رکوع، سجدہ، تلاوت، تسبیحات، درود شریف، دعا اور سلام کا علم اور دیگر قوانین ملتے ہیں جبکہ علم معرفت میں مرتبہ احسان کے ذریعے بندہ عبادت کے دوران اپنی رگ جان سے قریب، اللہ کے سامنے حاضری کا مشاہدہ کرتا ہے یا اس کا دھیان و گمان کرتا ہے۔

*جو کوئی بھی اس کی راہ میں کوشش اور جدوجہد کرے گا اللہ ضرور اسے اپنا راستہ دکھادے گا۔

*بندہ فرائض کے ساتھ نوافل سے اس کا ربط اور قرب چاہتا ہے تو پھر وہ بندہ کو اپنا بنالیتا ہے اور اپنے بندہ سے محبت کرتا ہے۔ اگر بندہ اسے پکارے تو وہ جواب دے اور بندہ کچھ مانگے تو وہ اسے عنایت کرے۔ پھر!

اللہ اس کی سماعت بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے

اللہ اس کی بصارت بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے

اللہ اس کی زبان بن جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے

اللہ اس کے ہاتھ بن جاتا ہے جن سے وہ پکڑتا ہے

علم اور مشاہدہ مومن کی صفت ہے جبکہ مسلمان ہونا اور مومن ہونا الگ الگ بات ہے۔

*کم علم یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ مومن بن گئے ہیں حالانکہ ایمان تو ان کے قلوب میں داخل نہیں ہوا ہے اور یہ تو فقط مسلمان ہوئے ھیں۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو خصوصی طور پر کتاب و حکمت عطا کی ہے اور یہی علم انبیاء کا ترکہ یا ورثہ ہوتا ہے۔ رب العالمین نے اپنے محبوب، سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر دین کی تکمیل فرمائی اور اپنی تمام نعمتیں عطا کیں۔ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا زیادہ علم عطا کیا گیا کہ آپ کی امت کا ایک عالم بنی اسرائیل کے نبی کے برابر ہے۔

*وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں، ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیت کھول کر بتاتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کا علم سکھاتے ہیں ورنہ اس سے قبل تو وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

*میں اپنے بعد اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد چھوڑے جا رہا ہوں۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ورثہ آپ ﷺ کا علم ہے۔ شریعت اور معرفت آپؐ کے علم کے دو رخ ہیں۔ آپ ﷺ آج بھی علم کے دونوں شعبوں کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔

مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی تعمیر کے وقت مہتمم حضرت رفیع الدینؒ نے خواب دیکھا کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم تشریف فرما ہیں۔ آپ کے دست مبارک میں عصا ہے۔ آپ ﷺ نے مولانا سے فرمایا۔

"شمالی جانب جو بنیاد کھودی گئی ہے اس سے صحن مدرسہ چھوٹا رہے گا۔"

آپ ﷺ نے عصائے مبارک سے دس بیس گز شمال کی جانب ہٹ کر نشان لگایا اور فرمایا!

"بنیاد یہاں پر ہونی چاہئے تاکہ مدرسہ کا صحن وسیع رہے۔"

خواب کے بعد علی الصبح مولانا نے سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لگایا ہوا نشان موجود پایا اور پھر اسی نشان پر بنیاد کھدوا کر مدرسہ کی تعمیر شروع کی۔

حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ صاحبِ عرفان بزرگ تھے۔ آپؒ کو سرور کائنات، سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ مبارکہ پر آپ ارض مقدس تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ آپ کے مریدین میں شامل تھے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، میزبان رسول کریم ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے دس سال کی محنت شاقہ کے بعد حدیث مبارکہ کی کتاب سنن ابی داؤد کی ایک عظیم الشان و بے مثال شرح عربی زبان میں تحریر فرمائی جس کا نام بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد ہے۔ ابھی شرح کے دو ہزار صفحات مکمل ہوئے تھے کہ آپ کو نبی الامی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیارت مبارکہ نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا!

''آپ میرے پاس مدینہ تشریف لے آیئے۔''

حضرت مولاناؒ دوسرے ہی دن مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ شرح کا بقیہ حصہ وہاں جا کر مکمل کیا اور اس موقع پر علمائے مدینہ طیبہ کے لئے شاندار ضیافت کا اہتمام فرمایا۔ 6 ماہ بعد وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ حضرت مولانا محمد زکریاؒ ان کے خلیفہ تھے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام علم کے دوسرے شعبے علمِ لدنی کی براہ راست نگرانی فرماتے ہیں۔ علم کتاب کا یہ شعبہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ترکہ خاص ہے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل واصحاب کے منتخب افراد میں خاص طور پر منتقل ہوتا ہے۔

*وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے۔

اور جسے حکمت ملی اس کو بے شک خیر کثیر ملی

اور نعمت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔

حضرت امام حسن عسکریؒ آل محمد ﷺ میں گیارہویں امام ہیں۔ ان کی اولاد میں سے ایک بزرگ حضرت فضیل مہدی عبداللہ عربؒ مدینہ منورہ سے مدراس تشریف لائے۔ آپ کی نسل میں ناگپور کے مشہور بزرگ تاج الاولیاء، واقف اسرار ورموز حضرت باباتاج الدین اولیاءؒ اور حامل علم لدنی، صدر الصدور حضرت حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؒ گزرے ہیں۔ باباتاج الدین اولیاءؒ نے اپنے نواسے حضرت حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؒ کی 9 سال تک روحانی تربیت فرمائی۔ تقسیم ہند کے بعد حضرت حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؒ کراچی تشریف لے آئے اور سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ، قطب ارشاد حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ سے بیعت ہوئے۔ جنہوں نے تین ہفتہ میں تعلیمات مکمل کر کے خلافت عطا فرمائی۔

حضرت حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؒ المعروف حضور قلندر باباولیاءؒ کو باباتاج الدینؒ سے براہ راست اور مندرجہ ذیل بزرگان سے بطریق اویسیہ علم و فیض منتقل ہوا اور آپؒ ان تمام سلاسل کے خانوادہ ہیں۔ ان میں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت امام موسیٰ کاظم رحمتہ اللہ علیہ، حضرت ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ بہاالحق نقشبند خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ، حضرت ابوالقاہر رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ شامل ہیں۔

ان بزرگان حق سے تعلیمات مکمل ہونے کے بعد سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حسن اخریٰ، سید محمد عظیم برخیاء المعروف قلندر باباولیاءؒ کو براہ راست علم لدنی عطا فرمایا۔ حسن اخریٰ کا خطاب بھی سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ کی بارگاہ اقدس کا عطا کردہ ہے۔ حضرت قلندر باباولیاءؒ کے شاگرد رشید الشیخ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ کی درخواست پر حضّور قلندر باباولیاءؒ نے سلسلہ عالیہ عظیمیہ کی بنیاد رکھنے کی درخواست سرور کائنات، فخر موجودات، سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں پیش کی۔ حضّور نبی کریم ﷺ نے درخواست قبول فرمانے کے بعد سلسلہ عظیمیہ قائم کرنے کی اجازت عطا فرمادی اور حضرت قلندر باباولیاءؒ امام سلسلہ عظیمیہ ہوئے۔ آپ نے الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ عالی کی روحانیت تربیت فرمائی اور اپنا ذہن و علم الشیخ عظیمی کو منتقل فرمایا۔ حضرت قلندر باباولیاءؒ کے انتقال کے بعد الشیخ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ عالی، خانوادہ سلسلہ عظیمیہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ حضرت قلندر باباولیاءؒ اور مذکورہ بالا بزرگان کے فیض کے علاوہ الشیخ عظیمی صاحب کو مندرجہ ذیل اصحاب و بزرگان سے براہ راست اور بطریق اویسیہ فیض منتقل ہوا۔

حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت سیدہ بی بی فاطمہؓ، حضرت سیدہ بی بی زینبؓ، حضرت رابعہ بصریؒ، حضرت امام موسیٰ رضا کاظمؒ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت ابوالحسن علی ہجویری داتا گنج بخشؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت بابافرید گنج شکرؒ، حضرت شاہ عبداللطیف امام بریؒ، حضرت لعل شہباز قلندرؒ، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ، حضرت بو علی شاہ قلندرؒ، حضرت شاہ دولہ دریائیؒ، حضرت بہاؤالدین ذکریا سہروردیؒ، حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حافظ فخر الدینؒ، خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت چوہدری اقبالؒ۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علم قال کے ساتھ ساتھ علم معرفت و طریقت کے حامل بزرگ ہیں۔ آپ نے اپنا روحانی علم اور ورثہ اپنے پوتے الشیخ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ عالی کو منتقل کرنے کے لئے دربار رسالت ﷺ سے اجازت چاہی تو سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ آپ کس بنیاد پر یہ علمی ورثہ منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مولانا نے مقبول دربار رسالت، شرح سنن ابی داؤد سرور کائنات سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں پیش کی۔

آپ ﷺ نے متبسم ہو کر درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور کتاب کے حاشیہ پر دست مبارک سے اجازت تحریر فرمادی۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے الشیخ عظیمی مدظلہ عالی کو چہار سلاسل، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور قادریہ میں خلافت عطا ہوئی۔

الشیخ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ عالی، میزبان رسول کریم حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے روضہ مبارک پر حاضری کے موقع پر مراقبہ میں آپؓ نے الشیخ عظیمی کو گلے سے لگایا۔ الشیخ عظیمی نے دیکھا

کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے سینہ مبارک سے نُور کی ایک شعاع نکلی اوران کے سینہ میں جذب ہوگئی۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا!

"سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منتقل ہونے والا یہ نُور جو میرے پاس آپ کی امانت تھا، آج میں نے وہ امانت آپ کو منتقل کر دی۔"

الشیخ عظیمی کو اللہ کے محبوب سرور کائنات سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار اقدس میں حاضری کی سعادت ملی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے مقدسہ، سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ، صفات حمیدہ اور مقام محمود کے وسیلہ، انبیاء مرسلین، حضرت جبرائیل امین اور اصحاب و آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے سرور کائنات، سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم لدنی عطافرمانے کی درخواست کی۔ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متبسم ہو کر درخواست قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا:

"خواجہ ایوب انصاریؓ کے بیٹے ہم تجھے قبول فرماتے ہیں۔"

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر حضرت حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاء، حضّور قلندر باباولیاءامام سلسلہ عظیمیہ نے الشیخ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ عالی کی سولہ سال تک تربیت فرمائی۔ حضرت عظیمی صاحب شب و روز اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر باش رہے۔

اللھم لک الشکر ولک الحمد

الشیخ عظیمی فرماتے ہیں کہ :

"کوئی بھی انسان دربار رسالت میں رسول اللہ ﷺ کے حضور اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنے کی درخواست پیش کر سکتا ہے بندے کو ذہنی و قلبی طور پر رسول اللہ ﷺ اور اپنے درمیان باپ بیٹے کا رشتہ استوار کر کے نہایت عاجزی وانکساری سے یہ درخواست پیش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مقدسہ اور سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے اور واسطے سے کی گئی یہ درخواست قبول کر لی جاتی ہے۔"

صلی اللہ تعالیٰ حبیبہ محمد و سلم

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمت للعالمین ہیں جب کوئی بندہ اس یقین کے ساتھ کہ حضور ﷺ کی رحمت پوری کائنات پر محیط ہے اور میں بھی اس کائنات کا ایک ذرہ ہوں لہٰذا میں بھی اس رحمت سے ضرور مستفیض ہو جاؤں بس ایک پردہ حائل ہے اور اس پردے کو حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت اور کرم اٹھا سکتا ہے۔

ادب اور یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسماء الحسنیٰ کے وسیلہ سے مراد پوری ہونے تک یہ درخواست پیش کی جائے۔ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ، صفات حمیدہ اور مقام محمود کا واسطہ پیش کیا جائے۔۔۔۔۔انبیائے مرسلین، حضرت جبرائیل امین اور اصحاب و آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے متواتر مانگا جائے تو دریار حمت جوش میں آجائے گا اور آپ اس رحمت سے سیراب ہو جائیں گے۔ اولیاء اللہ بھی سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف حمیدہ سے اس طرح فیض یاب ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ کے محبوب ﷺ میں قرآن پاک کے تخلیقی قوانین، سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام پر اور سیرت طیبہ کے روحانی پہلو پر مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ عالی، خانوادہ سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے ارشادات کو جمع کیا گیا ہے۔ ان ارشادات پر تفکر سے انسان کے اندر موجود غیب کے عالمین اس طرح روشن ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے اصل مقام اور امانت الٰہی سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک کی آیات پر غور و فکر اور مشاہدہ سے انسانی ذہن اور علم کو وسعت ملتی ہے اور وہ زماں و مکاں کی پابندی سے آزاد ہوتا جاتا ہے۔ صدیوں پر محیط عالمین کا سفر، چند لمحات میں مکمل ہو جاتا ہے۔ اس شعوری ارتقاء سے انسان کی سکت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنی ذات پر محیط، اپنے من میں موجود، اپنی رگ جاں سے قریب ہستی۔۔۔۔۔اللہ کی صفات کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔

مرشد کریم کے ذریعے سالک کا تعلق سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قائم ہو جاتا ہے اور بے شک سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ذات اکبر، اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و نسبت سے ہم سب کو یہ دولت سرمدی نصیب فرمائے۔

آمین

ڈاکٹر محمد طارق عظیمی، کوئٹہ

سیرت طیبہ

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ہم نے سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کو بلند کیا ہے جس ذات پاک کے ذکر کو خود اللہ تعالیٰ بلند فرما دیں اس ہستی کے متعلق کسی کا کچھ کہنا عقیدت تو ہو سکتی ہے لیکن اس سے آپ ﷺ کی سیرت کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ آج کے مادی دور میں نہایت محبت، عقیدت اور احترام سے لوگوں کا سیرت طیبہ کی محافل میں شریک ہونا اس بات کی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نہایت بلند درجات عطا فرمائے ہیں اور ہمارے دلوں میں سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت جاگزیں ہے۔

ہر دور میں علماء، فضلاء، دانشوروں اور عقیدت مندوں نے حضّور پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں کی پردہ کشائی کی ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، اولیاءاللہ، علماء کرام، مفسرین، محدثین اور مفکرین ہر زمانے میں انسانی شعور کے ارتقاء کے مطابق کچھ نہ کچھ کہتے رہے لیکن چودہ سو سال میں بھی سیرت طیبہ کے کسی پہلو کا احاطہ نہیں ہو سکا۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ یا سیرت طیبہ پر صدیوں سے بے شمار کتب تحریر کی جارہی ہیں اور خصوصی بات یہ ہے کہ جس کتاب کو بھی دیکھا جائے اس میں ایک نئی کشش، چاشنی اور گداز ملتا ہے۔ حضّور پاک ﷺ کی سیرت طیبہ میں مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکہ کی زندگی کے حالات و واقعات کے بے شمار پہلو شامل ہیں۔ حضّور پاک ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی لاکھوں کتابوں میں آپ ﷺ کے اخلاق، کردار اور سپہ سالاری وغیرہ کے پہلو اجاگر کئے گئے ہیں۔ غرض کہ حضّور پاک ﷺ کی حیات مبارکہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جو نوع انسانی یا امت مسلمہ کے سامنے نہ آیا ہو۔

اس سلسلے میں مجھے بھی شوق ہوا تو میں نے اللہ تعالیٰ کے حضّور دعا کی اور سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار کی طرف توجہ کر کے اظہار تمنا کیا!

یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی قابل تو نہیں ہوں لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ سیرت پاک پر کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں روحانی گوشے اجاگر کئے جائیں۔

الحمدللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر اس گزارش کو شرف قبولیت بخشا۔

میں بہت عرصہ اس سلسلے میں متفکر رہا کہ جب اللہ تعالی نے میرے اندر یہ تقاضا پیدا کر دیا ہے تو میں کسی طور حضّور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو روحانی نقطۂ نظر سے بیان کرنے کے قابل ہو جاؤں پھر اللہ تعالی کا بہت کرم ہوا اور اس کام کی ابتداء ہوئی اور کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار میں سے دو جلدیں مکمل ہوئیں۔اللہ تعالی انہیں سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں مقبول فرمائے اور مجھے یہ توفیق اور ہمت دے کہ میں مزید دو جلدوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو مکمل کرنے کے قابل ہو سکوں۔

اب تک میں نے 27 کتابیں لکھی ہیں اور کسی کتاب کے تحریر کرنے میں مجھے کبھی ضعف محسوس نہیں ہوا جو اللہ تعالی نے دماغ پر انسپائر کیا میں تحریر کرتا چلا گیا۔لیکن اس کتاب کو تحریر کرنے کے دوران میں نے یہ عجیب بات محسوس کی کہ ہر سطر تحریر کرتے ہوئے مجھ پر سرشاری کی کیفیت غالب رہی۔ذہن میں ہمیشہ یہ بات رہی کہ حضّور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانا ہے لیکن اللہ تعالی کی مدد سے دو جلدیں مکمل ہو گئیں۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کے اس حصہ کا میں نے بغور مطالعہ کیا۔جس میں حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی تبلیغ واشاعت کی۔اس زندگی میں ایسی کوئی تکلیف اور اذیت نہ تھی جو حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ دی گئی ہو۔یتیمی، صدمات، خاندان کا دباؤ، اہل قریش کے ظلم و ستم، مکہ والوں کا بائیکاٹ حتیٰ کہ جان لینے کی کوشش، یہ وہ نا قابل بیان واقعات ہیں جنہیں میں نے کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد اوّل میں جمع کیا ہے۔میں نے کوشش کی ہے کہ حضّور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زندگی مختصراً پیش کروں جس میں آپ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے بے شمار اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر کرم کے طفیل میں چاہتا تھا کہ کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی سائنسی توجیہہ بیان ہو جائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ہم سب واقف ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں لیکن میری روح کا تقاضا تھا کہ یہ بات بیان کر دی جائے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے میں سائنسی علوم کیا توجیہہ پیش کرتے ہیں۔یہ بھی معلوم ہو جائے کہ :

*چاند کیا ہے؟

*چاند کہاں سے نکلتا ہے اور کہاں غروب ہوتا ہے؟

*رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چاند کو اشارہ کیا تو اس کے ٹکڑے کیسے ہو گئے؟

میرا خیال تھا کہ اگر اس معجزہ کی سائنسی توجیہہ پیش کی جائے تو دورِ جدید کے پڑھے لکھے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ساتھ دیگر غیر مسلم اقوام کو بھی ایک نئی روشنی ملے گی۔

اسی طرح حضّور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں نے کلمہ پڑھا۔ یہ بالکل درست ہے کہ کنکریوں نے کلمہ پڑھا لیکن!

*کنکریوں نے کلمہ کیسے ادا کیا؟

اللہ تعالیٰ کا کون سا قانون اور حکمت تھی جس کے تحت کنکریوں نے لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کہا؟

جب حضّور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کے لئے تشریف لے گئے تو درخت آپ ﷺ کی تعظیم میں جھکے۔ پہاڑوں نے آپ ﷺ کی عظمت کا اقرار کیا اور کوئی بُوٹی، پوداا ور پھول ایسا نہ رہا جس نے حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں جھک کر آپ ﷺ کی عظمت کا اظہار نہ کیا ہو۔ سوال یہ ہے کہ:

*پودے اور درخت کیسے جھک گئے؟

میں نے کتاب محمد رسول اللہ ﷺ جلد دوئم میں رسول اللہ ﷺ کے معجزات کی موجودہ سائنسی علم کی روشنی میں توجیہہ پیش کی ہے۔ تاکہ سائنسی علوم کے حامل، تعلیم یافتہ افراد حضّور پاک ﷺ کی سیرت طیبہ ﷺ کا مطالعہ کریں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضّور پاک ﷺ کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضّور پاک ﷺ پر کتاب نازل فرمائی۔ سب جانتے ہیں کہ حضّور پاک ﷺ امی نبی تھے لیکن یہ آپ ﷺ کی عظمت اور شان ہے کہ جس انسان نے کبھی پڑھا نہ ہو اور مدرسہ میں تعلیم حاصل نہ کی ہو، دستخط کرنا نہ جانتا ہو، اس معزز و محترم ہستی نے قرآن جیسی عظیم کتاب نوع انسانی کو عطا فرمادی۔

قرآن پاک میں ہمیں تین چیزیں ملتی ہیں۔

شریعت

تاریخ

معاد

شریعت:

شریعت اس امر سے متعلق قانون ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کیسے گزاریں۔ کاروبار کس طرح کریں۔ والدین اور بیوی بچوں کے حقوق

کیسے ادا کریں۔ قوم اور ملک کے حقوق کیا ہیں۔ مسلمانوں کی معاشرت کیسی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا پورا قانون بیان کیا ہے۔

تاریخ:

قرآن پاک کا ایک حصہ تاریخ ہے۔ جتنے بھی پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے۔ اُن کی اقوام اور ادوار کا تذکرہ اس میں شامل ہے۔

*حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ

*حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا تذکرہ

*حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ

*حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں خواب کی زندگی کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ

*حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ

* حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں زمان و مکان سے آزاد Timelessness (لازمانیت) کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ

*حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ

*حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں Preservation اور Refrigeration کا مکمل قانون اور فارمولا۔

میرا دل چاہتا ہے کہ قرآن پاک میں تاریخی اعتبار سے جو واقعات اور قصص ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انہیں ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ اس فقیر کو آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اللہ کرے میں عاجز بندہ اس کوشش میں کامیاب ہو جاؤں۔

معاد:

قرآن پاک کا تیسرا حصہ معاد سے متعلق ہے۔

*انسان اس دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھا؟

*اس دنیا میں کس طرح اور کیوں آیا؟

*ہر پیدا ہونے والا انسان اس دنیا سے کہاں چلا جاتا ہے؟

اس Cycle کے بہت سے ادوار ہیں۔ اگر اس کا مختصر تذکرہ کیا جائے تو ترتیب یہ بنتی ہے:

*انسان عالم ارواح میں تھا۔

*عالم ارواح کے بعد کتاب المبین میں

*کتاب المبین کے بعد لوح محفوظ میں

*لوح محفوظ کے بعد بیت المعمور میں

*بیت المعمور کے بعد عالم برزخ میں

اور

*عالم برزخ کے بعد وہ عالم ناسوت میں آگیا

*عالم ناسوت سے عالم اعراف میں

*عالم اعراف سے نفخِ صور میں

*نفخِ صور سے عالم حشر و نشر

*عالم حشر و نشر سے یوم میزان میں (یوم الحساب)

*یوم الحساب سے جنت یا دوزخ میں

اور

*پھر ابد اور ابدالا باد میں منتقل ہو گیا۔

یہ ساری باتیں رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک میں بہت وضاحت کے ساتھ بیان کی ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ یہ سارے حقائق ابھی تک امت مسلمہ میں نوع انسانی کے سامنے نہیں آئے۔

اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہمارے اسلاف یہ باتیں نہیں جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے وارث علمائے باطن، اولیاء اللہ یہ سب باتیں جانتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ سے مجھے علم کے دو لفظ ملے۔ ایک لفظ میں نے ظاہر کر دیا اور ایک لفظ میں نے چھپالیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا!

کہ علم بھی کوئی چھپانے کی چیز ہے؟

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

اگر میں نے یہ لفظ بیان کر دیا تو لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔

*انہوں نے یہ علم اس لئے چھپایا کہ عام لوگوں کا شعور اس علم کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

چودہ سو سال کے بعد نوع انسانی کے شعور میں اتنا ارتقاء ہو گیا ہے اور انسان کا ذہن اب وہ چیزیں سمجھنے لگا ہے جو وہ چودہ سو سال پہلے نہیں سمجھتا تھا۔ مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، کیمرہ، کمپیوٹر، لاسلکی نظام مواصلات، سٹیلائٹ نظام کے ذریعے زمین کے اندر اور آسمانوں کی وسعت میں دیکھ لینا وغیرہ وغیرہ۔ اگر صرف 150 سال قبل لوگوں سے یہ کہا جاتا کہ ریڈیو بجتا ہے، ٹی وی پر تصویریں آتی ہیں، ڈش انٹینا کا نظام ہوتا ہے اور ان چینلز پر ساری دنیا کے پروگرام دیکھے جا سکتے ہیں اور یہ کہ کراچی سے امریکہ بات کی جا سکتی ہے اور امریکہ سے پاکستان بات کی جا سکتی ہے بلکہ ٹیلی فون کے ساتھ تصویر بھی سکرین پر آجاتی ہے تو کوئی یقین نہیں کرتا چونکہ علم محدود تھا اس لئے انسانی شعور بھی محدود تھا۔

انسانی شعور محدود ہونے کی بناء پر ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک لفظ جو انسانی شعور کے مطابق ہے وہ ظاہر کر دیا ہے اور جو لفظ انسانی شعور کی سکت سے باہر ہے وہ میں نے چھپالیا ہے۔ آج چودہ سو سال بعد انسانی شعور میں اتنی سکت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر کسی بات کو دلیل اور حکمت کے ساتھ بیان کیا جائے تو وہ بات انسان کی سمجھ میں آجاتی ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب لوح و قلم میں فرمایا ہے۔

*میں یہ کتاب سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے لکھ رہا ہوں۔

یہ کتاب سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے لکھ رہا ہوں کا مطلب یہ ہے کہ اب نوع انسانی کی شعوری سکت اتنی ہو گئی ہے کہ اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ ''علم کا ایک لفظ میں نے چھپالیا ہے'' کو تھوڑا تھوڑا کر کے بتدریج ظاہر کیا جائے تو انسانی عقل اسے سمجھ کر اس سے استفادہ کر سکتی ہے۔

آدمی کے اندر کوئی بھی قابلیت اس کی ذاتی نہیں ہوتی۔ ہر آدمی شاعر نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فرد پر اشعار انسپائر ہوتے ہیں تو وہ شاعر بن جاتا ہے۔ اسی طرح ہر آدمی ادیب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کسی پر ادب انسپائر

ہوتا ہے تو وہ لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ توفیق اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ انتہا یہ ہے اور اگر آپ غور و فکر کریں تو انسان کھانا بھی نہیں کھا سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانا کھانے کی اطلاع نہ ملے۔ اگر اس کے ذہن میں پانی پینے کا خیال نہ آئے تو کوئی انسان پانی بھی نہیں پی سکتا۔ اگر دفتر جانے کا خیال نہ آئے تو کوئی انسان دفتر نہیں جا سکتا۔ اگر اس کے ذہن میں شادی کا خیال نہ آئے تو وہ شادی نہیں کر سکتا۔

دنیا کی 6 ارب آبادی میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملے گی جس میں کسی فرد نے اپنی پیدائش سے لے کر موت تک 80 سال کی عمر میں زندگی کا کوئی ایک عمل خیال آئے بغیر انجام دیا ہو۔ کوئی شخص اپنی پوری زندگی میں کسی ایک خواہش، جذبہ یا عمل کو بغیر خیال آئے سر انجام نہیں دے سکتا۔

*لوحِ محفوظ کے قانون کے مطابق ہر آدمی پندرہ سیکنڈ کے بعد ایک خیال سے دوسرے میں منتقل ہو جاتا ہے۔

80 سال کی عمر میں پندرہ سیکنڈ فی خیال کے حساب سے آدمی کا ذہن کروڑوں اطلاعات موصول کرتا ہے۔ ان خیالات کے تابع آدمی کروڑوں میں سے چند امور کو سر انجام دیتا ہے۔ جب آدمی خیال آئے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تو یہ سوال بہت اہم ہے کہ آخر خیال آتا کہاں سے ہے۔ جیسے ریڈیو کی نشریات ایک خاص فریکوئنسی پر ریڈیو سٹیشن سے نشر ہوتی ہیں اور جب ریڈیو سیٹ اس فریکوئنسی کے مطابق آن ہو جاتا ہے تو سٹیشن کی لہریں سیٹ پر نشر ہونا شروع ہو جاتی ہیں اسی طرح جب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زندگی کا کوئی عمل خیال آئے بغیر کیا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ خیال کہیں سے آ رہا ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ خیال کہاں سے آ رہا ہے؟

* تفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ خیال اللہ تعالیٰ کی طرف سے آ رہا ہے۔

یہ انسان کے ذہن کی محدودیت ہے کہ وہ چند خیال فی ہزار وصول کرتا ہے اور ان میں بھی اپنی ذاتی اغراض شامل کر کے اس پر عمل کرتا ہے۔ مثلاً بھوک ایک تقاضا اور خیال ہے۔ اس کے لئے آدمی کے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ روٹی کھائے۔ اب اس خیال کو مثبت یا منفی طرزِ فکر پہنانا انسان کا اختیار ہے۔ مثبت طرزِ فکر اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہے۔ جس میں آدمی محنت کر کے روٹی حاصل کرتا ہے جبکہ منفی طرزِ فکر شیطنت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اس کے تحت آدمی محنت کی بجائے چوری کر کے روٹی کھاتا ہے۔

خیال کا منبع یا سورس اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے کہا جاتا ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتا حالانکہ انسان کی زندگی بجائے خود اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ خیال نہ آئے تو زندگی منجمد ہو جائے گی۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

و نحن اقرب الیہ من حبل الورید

*ہم انسان کی رگِ جاں گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

الا انه بکل شئ محیط

*میں وہ ذات اقدس و اکبر ہوں کہ میری صفات نے تمہارا احاطہ کیا ہوا ہے۔ تم اس احاطہ سے باہر نکل ہی نہیں سکتے

قالو اناللّٰه و انا الیه رجعون

*ہم تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں

یہ ایک دائرہ ہے جس میں انسان کہیں سے آ رہا ہے اور کہیں جا رہا ہے لیکن اس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔

علمائے باطن کہتے ہیں

*یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وراثت یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ پوری کائنات اللہ کا نُور ہے۔ یہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کے بغیر قائم ہو۔ معاد کی یہی تعریف ہے۔

معاد میں عالم ارواح بھی ہے۔ فرشتوں کی اقسام، جنات اور انسان بھی ہیں۔ معاد ہمیں بتاتا ہے کہ اس دنیا کی طرح کروڑوں دنیائیں آباد ہیں اور لاشمار کہکشانی نظام موجود ہیں۔ سات آسمان، عرش و بیت المعمور کی تفصیلات کا علم ہمیں معاد سے حاصل ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ پر غور و فکر کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ حضّور پاک ﷺ کی زندگی کا کوئی بھی عمل حضّور کی اپنی ذات کیلئے نہ تھا۔ حضّور پاک ﷺ نے جو کچھ بھی کیا وہ اللہ کے لئے کیا۔ حضّور پاک ﷺ نے جو کچھ سوچا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت و نسبت سے سوچا اور جو پیغام پہنچایا وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق پہنچایا۔

امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے نبی محترم ﷺ کے نقش قدم پر چل کر حضّور پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے اور اس مطالعہ کے بعد جب یہ حقیقت آشکار ہو کر حضّور پاک ﷺ نے جو عمل بھی کیا وہ اللہ تعالیٰ کے لئے کیا ہے تو امت کی حیثیت سے ہمارے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم بھی اپنے رسول ﷺ کی سنت کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کریں۔

ہماری کسی سے دشمنی ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اگر ہماری کسی سے دوستی ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ اگر کھانا کھائیں تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اگر پانی پئیں تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی اپنی مخلوق کی پیاس بجھانے کیلئے بنایا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کوئی احتیاج نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ نہ تو پانی پیتا ہے نہ کھانا کھاتا ہے اور نہ گھر میں رہتا ہے۔ یہ سارے وسائل اللہ تعالیٰ نے محبت کے ساتھ مخلوق کے لئے پیدا کئے ہیں۔

امت مسلمہ اگر اس بات پر اپنی زندگی قائم کر لے کہ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرنا ہے۔ تو ہم نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی طرز فکر سے واقف ہو جائیں گے بلکہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی نسبت منتقل ہو جائے گی۔

*تصویر۷**تصویر۸*

شعوری ارتقاء

انسان کی عظمت اور شرف جس فضیلت یا بنیاد پر قائم ہے وہ بظاہر لوگوں کو نظر نہیں آتی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زندگی پر ایک ہستی کا کنڑول کچھ اس طرح ہے کہ اسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ انبیاء کرام اس ہستی کی توحید کا ذکر ایک تسلسل سے کرتے چلے آئے ہیں۔ توحید کی دعوت اور اس کا پرچار نہایت شدت اور تسلسل سے کیا گیا ہے۔

حضرت آدمؑ نسل انسانی کے جد امجد اور وارث ہیں۔ اس دور کا شعور آج کے انسانی شعور سے بہت کم اور محدود تھا اس وقت انسان کو معاشرت یعنی مکان، لباس اور خوراک کے متعلق اتنا شعور بھی نہیں تھا کہ وہ گھر بنا سکے، ایجادات کر سکے یا اعلیٰ غذا استعمال کرتا ہو۔

حقائق یہ ہیں کہ اولادِ آدم خود رو پودوں، جڑوں اور پھلوں کو بطور غذا استعمال کرتی تھی۔ درختوں کے بڑے بڑے پتے اور جانوروں کی کھال ان کا لباس ہوتا تھا۔ آہستہ آہستہ انسانی شعور نے ترقی کی، پتھر کے دور سے معاشرت اور بود و باش کا آغاز ہوا۔ آگ کی دریافت سے انسان دھات اور لوہے کے دور میں داخل ہوا اور اس طرح ترقی کرتے کرتے انسانی شعور میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو توحید پر قائم رکھنے کے لئے انبیائے کرام کا ایک سلسلہ جاری فرمایا۔ انبیاء کرام تشریف لاتے اور ان کی تعلیمات پر عمل ہوتا لیکن جیسے ہی وہ پردہ فرماتے اور کچھ وقت گزرتا نوع انسانی گمراہی میں مبتلا ہو جاتی۔ لوگ انبیاء کی تعلیمات میں اپنی مصلحت اور ضروریات کے مطابق تحریفات کر دیتے۔ انبیاء کرام کے بعد ہر دور میں ایک ایسا گروہ آتا رہا جو ان کی تعلیمات کو اپنے ذاتی مفاد اور منفعت کے مطابق ڈھال لیتا۔ ان مطلب پرست افراد کی چالاکی اور عیاری سے سحر و بت پرستی کا دور شروع ہوا۔ بت پرستی اور سحر کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان بتوں کے درمیان بھی حفظ مراتب کا خیال رکھا گیا۔ چھوٹا بت، بڑا بت اور سب سے بڑا بت۔ بت پرستی کے کسی دور میں ایسا نہیں ہوا کہ ان بتوں کا بھی کسی اندیدہ ہستی سے تعلق قائم نہ رکھا گیا ہو۔

تمام تر مظاہر پرستی، بت پرستی، مادہ پرستی اور شرک یا کفر کے باوجود تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں اللہ تعالیٰ کا تصور غالب نہ رہا ہو۔ تاریخ میں عبرانی، سیرانی، کلدانی، عمیری، عربی اور دیگر اقوام کا تذکرہ موجود ہے ان قصائص میں اللہ تعالیٰ کا تصور ہمیشہ غالب رہا ہے۔ میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ بت پرستی اور شرک میں بھی انسان مجبور ہے کہ وہ ایک مافوق الفطرت ہستی کا تذکرہ کرے اور جس کا تذکرہ بت پرست بھی کرتے ہیں۔ شرک کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قبل عرب شعراء کی طرز فکر پر غور کیا جائے تو ان کی شاعری کا یہ تصور بطور خاص سامنے آتا ہے کہ وہ بتوں کی طاقت اور صفات کو ایک ہستی کی طرف ضرور موڑ دیتے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ بت دراصل اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہیں۔ مثلاً عذاب کرنے والا بت، رحم کرنے والا بت، بارش برسانے والا بت۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو پتھر کی صورت میں ڈھال کر سامنے رکھ لیا تھا۔ شرک کے معنی ہوئے کہ توحید کے برخلاف، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تک معاشرتی ترقی اور انسانی ذہن کے ارتقاء کے باوجود، شعوری پستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بیت اللہ شریف میں 360 یا 390 بت رکھے ہوئے تھے۔

اہل مکہ کی ذہنی پستی اور شعوری جہالت کی انتہا اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ہاتھ سے تراشے گئے یا رقم سے خریدے ہوئے بتوں کو خدا مانتے اور ان کو پوجتے تھے۔ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اگر بتوں کی بے حرمتی ہو گئی تو ہمیں نقصان ہو گا۔ ان سے منّتیں اور مرادیں مانگی جاتی تھیں اور ان کے حضوّر چڑھاوے اور قربانیاں پیش کی جاتی تھیں۔ یہ تمام صورتحال کسی طرح بھی ایسی نہیں ہے جس کے متعلق ہم یہ کہہ سکیں کہ سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت اہل قریش یا اہل مکہ اعلیٰ انسانی شعور کے حامل تھے۔ اس دور میں دوسری اقوام اور مذاہب کے افراد کو بھی اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بیت اللہ میں عبادت کر سکیں۔ وہاں یہودی اور عیسائی بھی آتے تھے جو بتوں کو نہیں مانتے تھے اور اپنی نماز اور ذکر وغیرہ کرتے تھے لیکن ان لوگوں میں بھی اتنی ہمت اور جرأت نہیں تھی کہ وہ ان بتوں کا انکار یا بطلان کر سکیں اور اس بارے میں کوئی آواز اٹھا سکیں۔ حتیٰ کہ عرب میں حج بھی ہوتا تھا اور تمام اہل عرب بیت اللہ شریف کی عقیدت میں مکہ میں جمع ہو کر حج ادا کرتے تھے لیکن اہل عرب میں بھی کسی کو جرأت نہیں تھی کہ بتوں کے خلاف بات کر سکے۔

جہالت کا عالم یہ تھا کہ قتل و غارت اور لوٹ مار عام تھی۔ لڑکیاں پیدا ہوتیں تو اس امر کو باعث شرم جانتے اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ آزاد لوگوں کو پکڑ کر غلام بنالیتے اور ان کی خرید و فروخت کے لئے باقاعدہ منڈیاں لگتی تھیں۔ عورتوں کی خرید و فروخت اس طرح کی جاتی تھی جس طرح بھیڑ بکریاں فروخت کی جاتی تھی۔

وحشت و بربریت اور جہالت کے اس دور میں جہاں قتل و غارت گری اور لوٹ مار عام ہو، آزاد مردوں کو غلام بنالیا جائے۔ عورتوں کی خرید و فروخت ہوتی ہو۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا رسم ہو اور رسم و رواج میں لاقانونیت ہو ہم اس قوم کو کسی بھی طرح باشعور نہیں کہہ سکتے۔ آدم علیہ السلام کے دور سے مکہ کی معاشرت تک جو عمومی شعور منتقل ہوا اس کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مکہ کے لوگ انسانی شعور کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح اور شعور انسانی کے ارتقاء کی تکمیل کے لئے سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔

ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں ایک ادھ جلی قربانی پیش کی گئی جس سے بیت اللہ شریف کے غلاف نے آگ پکڑ لی اور اس کی دیواریں کمزور ہو گئیں۔خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ ہوا تو یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ جب تک جلی ہوئی دیواروں کو مسمار نہ کیا جائے نئی بنیادیں رکھ کر تعمیر شروع نہیں کی جاسکتی۔مکہ کے تمام سردار اور بڑے بڑے امراء اور روساء جمع ہوئے کہ خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنا ہے لیکن کسی ایک آدمی میں بھی اتنی ہمت اور جرأت نہیں ہوئی کہ وہ خانہ کعبہ کی دیوار منہدم کرسکے۔ہر آدمی اس بات سے خوف زدہ تھا کہ اگران دیواروں کو گرایا گیا تو تباہی اور مصیبت آجائے گی۔تاریخ یہ بتاتی ہے کہ خانہ کعبہ کے نیچے ایک تہہ خانہ موجود تھا جہاں لوگ نذر و نیاز کیلئے سونا اور سکے ڈال دیتے تھے۔لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ زر و جواہرات کے ڈھیر پر ایک بہت بڑا اژدھا بیٹھا رہتا ہے۔مشہور ہے کہ جہاں سونا اور خزانے ہوں وہاں اژدہا آجاتا ہے۔خانہ کعبہ میں آگ اور دیوار گرنے سے وہ اژدہا باہر آکر بیٹھ گیا۔

اب اس اژدہے کو مارنے کیلئے خوف وہراس پھیل گیا کہ اگر اس اژدھے کو مارا گیا جو خانہ کعبہ میں خزانے کی حفاظت کرتا ہے تو ادبار آجائیگا اور اژدھا اسی لئے زندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر نہیں چاہتے۔

پھر قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک بہت بڑا پرندہ اڑتا ہوا آیا اور اس اژدھے کو اٹھا کر آسمان کی وسعت میں گم ہو گیا۔اب اہل مکہ کے ذہن میں یہ نئی بات آئی کہ اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر چاہتے ہیں لیکن یہ مسئلہ برقرار رہا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کیلئے دیواروں کو توڑنا پریشانی کا باعث ہوگا، پھر ایک بزرگ آگے بڑھے اور بہت محتاط انداز میں خانہ کعبہ کی دیوار پر کدال کی دو تین ضربیں لگائیں اور واپس آکر کہا کہ اب ہمیں یہ انتظار کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کو گرانے سے ناراض ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کا گھر دوبارہ بنایا جائے۔ رات بھر انتظار کیا گیا۔ کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ چنانچہ لوگوں نے کدال سے دیواریں گرادیں اور زمین صاف کر کے دوبارہ بنیادیں کھودی گئیں۔بنیاد کی تیاری میں ایک بڑا اور سخت پتھر آیا تو یہ اتفاق رائے ہوا کہ یہ وہ بنیاد ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کیلئے رکھی تھی لہٰذا اسی بنیاد پر خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر شروع ہوئی۔جب خانہ کعبہ کی دیواریں کھڑی ہو گئیں اور تعمیر مکمل ہو گئی تو یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ اب دیوار میں حجر اسود کون رکھے؟ قبیلوں کی برتری سامنے آگئی۔ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ حجر اسود رکھنے کی سعادت اسے حاصل ہو۔اس پر ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا اور تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں تب اللہ کے ایک نیک اور بزرگ بندے نے یہ تجویز پیش کی کہ خانہ کعبہ میں خون ریزی اور قتل و غارت سے بچنے کیلئے ایسا کریں کہ صبح جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو اور وہ اس تنازعہ کا جو بھی فیصلہ کرے سب اس فیصلے کو تسلیم کر لیں، یہ تجویز منظور کر لی گئی۔

اگلی صبح خانہ کعبہ میں جو ہستی سب سے پہلے داخل ہوئی وہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی تھی۔آپ ﷺ کو دیکھ کر لوگوں میں شور مچ گیا کہ:

امین آگئے، امین آگئے

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس تنازعہ کا علم ہوا تو حضور ﷺ نے ایک چادر منگوائی اور اس چادر کے درمیان میں سنگِ اسود رکھا اور فرمایا کہ یہاں جتنے بھی قبیلوں کے سردار یا نمائندے موجود ہیں وہ سب مل کر اس چادر کو کناروں سے پکڑ کر اوپر اٹھائیں جب ان لوگوں نے چادر کو اوپر اٹھایا تو سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پتھر اٹھا کر دیوار پر لگا دیا۔

اس واقعہ سے سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بحیثیت امین جو عزت و احترام تھا وہ ثابت ہوتا ہے لیکن جب حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہی لوگوں کو اللہ کا پیغام سنایا اور اللہ کی وحدانیت کی تبلیغ کی تو سب مخالف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب مبعوث فرمایا تو شعوری اعتبار سے انسان انتہائی پست اور پسماندہ حالت میں تھا۔

اہل مکہ کی ذہنی پسماندگی اور شعوری پستی کی حد پر غور فرمائیں کہ ان کے دلوں میں اللہ کے گھر کی تو اتنی عظمت تھی کہ وہ دیوار پر کدال نہیں مارنا چاہتے تھے لیکن جب خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر ہو گیا تو ذہنی پستی اور شعوری پسماندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے خانہ کعبہ میں دوبارہ بت رکھ دیئے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تک توحید کیلئے نوع انسانی کا شعوری ارتقاء کچھ نہ تھا۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت سے پہلے غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ وہاں کئی کئی دن قیام فرماتے اور اپنے ساتھ خورد و نوش کا سامان لے جاتے تھے۔ اگرچہ یہ سلسلہ سارے سال جاری رہتا لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل مسلسل پانچ سال تک رمضان المبارک کے پورے ماہ غار حرا میں قیام فرماتے رہے۔ آپ ﷺ وہاں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و فکر فرماتے تھے:

o کائنات کیسے تخلیق ہوئی؟

o آسمان، سورج، چاند اور زمین کیا ہے؟

o کائنات اور انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

o آدمی پیدا کیوں ہوتا ہے اور بالآخر مر کیوں جاتا ہے؟

ان امور پر غور و فکر اور ان کے اندر کارفرما اللہ تعالیٰ کے انوارات کا عرفان حاصل کرنا غار حرا کی سنت ہے کیونکہ اس وقت تک نماز و عبادت فرض نہیں ہوئی تھی۔

غار حرا جبل نُور میں واقع ہے۔ یہ بڑی پر مسرت اور حیرت انگیز بات ہے کہ عربی میں حرا ریسرچ یا تحقیق کو کہتے ہیں جبکہ جبل نُور کا مطلب روشنی کا پہاڑ ہے اور پہاڑ سے مراد لامحدود وسعت ہے۔ اس طرح جبل نُور میں غار حرا تشریف لے جانے کا مطلب یہ ہوا کہ:

o سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا میں لامحدود روشنی تلاش کرنے اور اللہ کی نشانیوں پر غور کرنے کیلئے جاتے تھے۔ جب پانچویں سال حضّور پاک ﷺ کی تحقیق و تلاش عروج پر پہنچ گئی اور رسول اللہ ﷺ کا ذہن مبارک نقطہ وحدانیت میں جذب ہو گیا یعنی جب رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے علاوہ کوئی تصور باقی نہیں رہا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا۔

اقراء!

oپڑھیئے

اقرا باسم ربک الذی خلق

oپڑھیئے رب کریم کے نام سے جس نے تخلیق کیا

خلق الانسان من علق

oاور تخلیق کیا انسان کو کھنکھناتی مٹی سے

حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضّور پاک ﷺ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور حضور ﷺ کو سینہ مبارک میں گرمی اور حدت محسوس ہوئی۔

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا

اقراء!

oپڑھیئے

حضور پاک ﷺ نے دوسری مرتبہ فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دوسری مرتبہ آپ ﷺ کو اپنے سینے سے لگانے کے بعد کہا کہ

اقراء!

oپڑھیئے

حضور پاک ﷺ نے پھر فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

تیسری بار حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوری شدت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر بھینچا اور جذب کرنے کی کوشش کی اور کہا

اقراء!

Oپڑھیئے

غار حرا میں حضرت جبرائیلؑ، اللہ تعالی کی طرف سے وحی اور نبوت لے کر آئے اور رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالی کے کلام سے مستفیض ہوئے لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی تو اہل مکہ نے محدود شعور کی بناء پر توحید کو قبول نہیں کیا بلکہ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیت و تکالیف پہنچائیں، آپ ﷺ کا بائیکاٹ کیا حتیٰ کہ حضّور پاک ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنا پڑی۔

رسول اللہ ﷺ کی امت کی حیثیت سے امت مسلمہ پر لازم ہے کہ غور و فکر کی تعلیمات اور سنت پر عمل پیرا ہو کر شعوری ارتقاء اور ذہنی وسعت حاصل کرے۔ غار حرا کی سنت امت مسلمہ کیلئے اس بات کا پیغام ہے کہ باطن میں موجود انوارات اور روشنیوں کو تلاش کر کے ان کے اندر تفکر کیا جائے۔

جس قوم سے تحقیق، تلاش اور ایجادات نکل جاتی ہیں وہ قوم تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ علم امت مسلمہ کا ورثہ ہے۔ مسلمان عمل سے دوری کے نتیجے میں تباہ و برباد ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلمانوں نے علمی طور پر شعوری ارتقاء حاصل کرنے کی بجائے تنزلی و تباہی اختیار کی ہے۔ علم کی میراث حاصل کر کے عزت و آبرو سے زندگی بسر کرنے اور بحیثیت امت عروج حاصل کرنے کیلئے ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ کہیں اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ سے ہمارا تعلق صرف زبانی و کلامی تو نہیں رہ گیا؟ رسول اللہ ﷺ سے محبت و عقیدت کا عملی تقاضا ہے کہ ہم آپ ﷺ کی غار حرا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے آپ ﷺ کی محبت اور غور و فکر کو اپنے عمل و کردار کا حصہ بنائیں۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت میں علمی اور شعوری ارتقاء دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب ہم سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غور و فکر کی طرز فکر کو اپنا لیں گے تو سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربت حاصل کر لیں گے!

*تصویر ۹**تصویر ۱۰**تصویر ۱۱**تصویر ۱۲*تقریر۔3

دعوت و تبلیغ

دعوت تبلیغ اور اذیت و تکالیف

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے بے شمار عالمین بنائے۔ کائنات میں بے شمار مخلوقات تخلیق کیں اور انہیں ایک نظام کے ذریعے ایک دوسرے کی خدمت کے لئے پابند کیا۔ اس کے بعد کائناتی نظام کو قائم رکھنے کیلئے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا۔

امت مسلمہ کو اس طرف توجہ دینا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کو پھیلانے کے لئے کتنی اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں۔ سیرت طیبہ کے اس پہلو کا مطالعہ کر کے اسلام کی خاطر قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تاکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پرچار کرنے کے لئے ہمت اور حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضوّر پاک ﷺ کے جانثاروں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اپنی جان اور مال قربان کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے بذات خود ہمت و حوصلہ کی چٹان بن کر مستقل مزاجی سے توحید کا پیغام عام کرنے کے لئے ناقابل بیان حالات کا مقابلہ کیا۔ میں نے حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کے اس حصہ کا بہت غور و فکر سے مطالعہ کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کیلئے اذیت اور تکالیف برداشت کیں۔

آیئے! پیدائش سے لے کر وصال تک حیات مبارکہ ﷺ پر غور کریں۔ پیدائش سے پہلے والد محترم کا انتقال ہو گیا۔ چند سال بعد والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔ اس کے بعد دادا بھی اس دنیا سے چلے گئے۔ یہ صدمات کیا کم تھے کہ اہل خاندان نے بے شمار اذیتیں پہنچائیں۔ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔

مشرکین مکہ نے جب حضور ﷺ کے مشن کو کامیاب ہوتے دیکھا تو انہوں نے قریش مکہ کے چیدہ چیدہ سرداروں کی مشاورت سے ایک جماعت بنائی اور ان قریشی سرداروں نے طے کیا کہ محمد ﷺ اور ان پر ایمان لانے والوں پر اتنا زیادہ ظلم و تشدد کیا جائے کہ وہ ہمارے راستے سے ہٹ جائیں۔

طائف کے سفر میں دعوت و تبلیغ کے لئے آپ ﷺ نے وہاں اپنے رشتہ دار کے گھر قیام کرنا چاہا تو انہوں نے مہمان نوازی کی بجائے طائف کے شعبدے، غنڈے اور بدمعاش آپ ﷺ کے پیچھے لگادیئے اور ان لوگوں نے حضور پاک ﷺ کو اتنے پتھر مارے کہ آپ ﷺ لہولہان ہوگئے اور آپ ﷺ کے نعلین مبارک خون سے بھر گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کے عطا کردہ روحانی علوم کے متلاشی افراد کے لئے ضروری ہے کہ سیرت طیبہ ﷺ کو بار بار پڑھیں اور اس بات پر تفکر کریں کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرک کو ختم کرنے، توحید کا پرچار کرنے اور کفار کو صراط مستقیم پر لانے کے لئے کیسی کیسی تکالیف برداشت کرکے اللہ کے مشن کو عام کیا۔

مسلمان جب حضور ﷺ کی سیرت طیبہ ﷺ پڑھ کر اس پر غور کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ اور سنت پر خلوص نیت، اتحاد، یگانگت اور تفرقہ سے بالاتر ہو کر عمل پیرا ہوں گے تو انہیں قدم قدم پر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاون ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے سے جرأت مندانہ قدم اٹھانے، دل شکستہ حالات کا سامنا کرنے، مخالفین کی الزام تراشیوں کو نظرانداز کرنے اور بلا تفریق لوگوں تک صحیح بات پہنچانے کا حوصلہ پیدا ہوگا۔

ایک ارب مسلمان جیسے بھی ہیں رسول اللہ ﷺ پر جان سے فدا ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی محبت مسلمانوں کے قلوب میں داخل کی ہوئی ہے لیکن مسلمانوں کی محبت کا اظہار صرف زبانی کلامی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ہر عمل خود کرکے دکھایا ہے۔

مسلمانوں میں دعا کا ایک مخصوص فہم پیدا ہو گیا ہے وہ صرف اور صرف دعا کرنے اور کسی بزرگ سے دعا کرانے تک محدود ہو گئے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو حضور پاک ﷺ نے دعا کے ساتھ عمل بھی کیا۔ غزوہ بدر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ 313 افراد تھے۔ جبکہ دوسری طرف ایک ہزار مسلح افراد تھے۔ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں بیٹھ کر دعا نہیں کی بلکہ میدان جنگ میں جا کر یہ دعا فرمائی۔

"یااللہ جو کچھ میں لا سکتا تھا لے آیا، اب ہماری مدد کر۔"

آپ ﷺ نے عملی مظاہرہ کے بعد جب دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے 313 افراد کیلئے ایک ہزار فرشتے بھیج دیئے۔ یہ سوچنا ہے کہ ہم جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہیں پہلے اس کا عملی مظاہرہ کریں اور پھر درود و سلام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی نسبت اور وسیلے سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔ صرف دعا بے عملی کا مظاہرہ ہے۔

امت مسلمہ میں سے عمل نکل گیا ہے۔ عملی زندگی کی طرف سے توجہ ہٹ گئی ہے اور بے عملی سے انتشار پیدا ہوا ہے۔ انتشار سے اختلاف بڑھا اور فرقے بن گئے۔ فرقے اس لئے بن رہے ہیں کہ عملی مظاہرہ کم سے کم ہو گیا ہے۔

جب ہم عملی مظاہرہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضّور عاجزی سے جھکتے اور سجدہ ریز ہوتے ہیں تو ہم اپنے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے عشق و محبت کا تقاضایہ ہے کہ ہم سب بحیثیت امتی، حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو عام کرنے کیلئے جو تکالیف برداشت کی ہیں ہم ان تکالیف کا تصور کریں اور رسول اللہ ﷺ کے معین کردہ راستے پر پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ قائم رہیں۔

"غزوہ بدر میں فتح، عمل و دعا کے براہ راست تعلق کی ایک عظیم الشان مثال ہے۔ عمل کے بعد دعا کے نتیجے میں کامیابی، قانون فطرت کے تحت ایک آفاقی حقیقت بن جاتی ہے۔ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ نسبت عملی طور پر امت مسلمہ کو منتقل ہوئی ہے جو دور جدید کے مسائل اور مشکلات میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اس امر کے اعادہ کے لئے غزوات کے واقعات شامل کتاب کئے جاتے ہیں۔"

غزوہ بدر

مکہ میں مشرکین کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی آباد تھے۔ نقل و حمل اور بود و باش کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ نصرانی، مجوسی اور لادین سب کو اجازت تھی کہ وہ مکہ میں جب چاہیں آئیں اور سکونت اختیار کریں یا واپس چلے جائیں۔ خانہ کعبہ میں ایک بت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے بھی منسوب تھا۔ اس طرح مذہب ہر شخص کا ذاتی اور انفرادی معاملہ تھا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ جب مکہ میں شخصی آزادی تھی تو مکہ کے امراء، روساء اور صاحب اختیار اسلام کے کیوں مخالف ہوئے۔

انہوں نے توحید کی دعوت سے دستبردار ہونے کے لئے سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زر و جواہرات، خوبصورت خاتون سے شادی اور بادشاہت کی پیشکش کی اور جب ان کی پیش کش قبول نہیں کی گئی تو مکہ کے متولی اور کرتادھرتا حضّور اکرم ﷺ کی جان کے درپے ہو گئے۔

بھرپور مخالفت کے باوجود جب رسول اللہ ﷺ نے اس عزم کا اظہار فرمایا کہ

"اگر میرے داہنے ہاتھ پر سورج رکھ دیا جائے اور بائیں ہاتھ پر چاند، میں پھر بھی اللہ کی وحدانیت کا پیغام پہنچاتا رہوں گا۔" تو مکہ کے صاحب اختیار اور حکمران مایوس ہو گئے۔ ہر سطح پر کوشش کی گئی اور سفارتی ذرائع اختیار کئے گئے کہ مسلمان کہیں سکون سے نہ رہ سکیں۔ صاحبان اقتدار یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ مکہ کے باسی جن کو بقول ان کے مذہبی آزادی حاصل تھی مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ عربوں کی روایات میں آقا و غلام، کنیز و مالک، غریب اور امیر کا امتیاز فخر و مباہات اور کبر و نخوت کا اظہار۔۔۔۔۔۔ قتل و غارتگری اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا اعلیٰ اقدار سمجھی جاتی تھیں اور ان خاندانی روایات قائم رکھنے کے لئے مردوں کی فصل رکھی جاتی تھی۔

اہل مکہ نے جب یہ دیکھا کہ اسلام۔۔۔۔۔ محکوم وزیر دست اور غلام وکنیز کی پشت پناہی کرتا ہے معصوم جانوں کے قتل سے روکتا ہے تو انہیں اپنااقتدار خطرہ میں نظر آیا۔ابو جہل اور دوسرے وڈیروں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اسلام چونکہ انسانیت کا تحفظ کرتا ہے،افلاس سے کچلے ہوئے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے غلاموں کے حقوق کے تحفظ کا حکم دیتا ہے۔ جس سے ہمارا اختیار ختم ہو جائیگا، ہمارے محلات مسمار ہو جائیں گے۔ ہم اپنی من مانی نہیں کر سکیں گے اور چند ہاتھوں میں سمٹا ہوا اقتدار عوام میں چلا جائیگا تو وہ اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔طبقاتی تقسیم اور خود ساختہ معاشرتی نظام پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کیلئے داعی اسلام کے مخالف ہو گئے۔ کفار مکہ نے تمام تر پیش کش میں ناکامی اور مظالم ڈھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے کہا!

''اللہ کی قسم ہم تمہیں ہر گز نہ چھوڑیں گے حتیٰ کہ ہم تمہیں تباہ کر دیں یا تم ہمیں تباہ کر دو۔''

رسول اللہ ﷺ نے قریش کے مظالم کو حد سے متجاوز دیکھ کر مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود ابھی تک ہجرت کا ارادہ نہیں کیا تھا کیونکہ آپ ﷺ حکم خداوندی کے منتظر تھے۔ قریش نے دیکھا کہ مسلمان ایک ایک کر کے مدینہ نکل گئے ہیں اور مدینہ میں مسلمانوں کی ایک معقول تعداد جمع ہو گئی ہے۔ جس کی طاقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ دین کے بانی کا خاتمہ کرنا ضروری ہو گیا ہے کیونکہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ سے چلے گئے تو پھر اس نئے مذہب کا مقابلہ بہت دشوار ہو جائے گا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے سردار ابو جہل کی اس رائے پر متفق ہوئے کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک شمشیر زن منتخب کر کے محمد ﷺ پر ایک ساتھ اس طرح وار کیا جائے کہ آپ ﷺ کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے۔

اس اثناء میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کا حکم مل گیا تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رفیق سفر منتخب کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر پر سلایا تاکہ وہ اگلی صبح اہل مکہ کی امانتیں ان کے سپرد کر دیں۔

آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ مکہ سے چار میل کے فاصلے پر کوہ ثور کی ایک غار میں تشریف لے گئے اور وہاں سے تین دن کے بعد مدینہ روانہ ہوئے۔

مکہ کے صاحبان اقتدار اور بااثر سردار جب رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش میں ناکام رہے تو انہوں نے مدینہ کے بااثر سردار عبداللہ بن ابی کو خط لکھا۔

تم نے ہمارے آدمیوں کو پناہ دی ہے

تم لوگ ان کو قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو

ورنہ ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں ہم تم پر حملہ کر دیں گے

اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے

قریش مکہ کی خوشحالی کا دارومدار ملک شام کے ساتھ تجارت پر تھا۔ شام جانے والی شاہراہ مدینے کے قریب سے گزرتی تھی۔ اسلامی مملکت نے جب روزافزوں ترقی کی تو رسول اللہ ﷺ نے قافلوں کی چیکنگ کا حکم صادر فرمادیا۔

اہل مکہ شام جانے والی شاہراہ محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ ماہ ربیع الاول ۲ ھ کو قریشی سردار کرز نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مویشی ہانک کر لے گیا جب مسلمانوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے تعاقب کر کے مویشی واپس لے لئے لیکن کرز بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

جمادی الثانی کے آخری دنوں میں سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو بارہ مہاجرین کے ہمراہ نخلہ کی جانب ایک خفیہ مہم پر بھیجا اور عبداللہ بن جحشؓ کو ایک سربند ہدایت نامہ دے کر فرمایا کہ اسے دو روز بعد کھولنا اور اس کی تعمیل کرنا لیکن تعمیل میں کسی ساتھی کو مجبور نہ کرنا۔ دو روز بعد جب ہدایت نامہ کھولا گیا تو اس میں تحریر تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نخلہ جاؤ اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ۔ یہ خفیہ مہم ایک جان جوکھوں کا کام تھا لیکن اس ہدایت میں حملہ، قتل یا لڑائی کا حکم نہ تھا صرف سراغرسانی مقصود تھی۔

عبداللہ بن جحش ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے تو اتفاق سے ایک تجارتی قافلہ گزر رہا تھا۔ انہوں نے موقع پا کر قافلہ پر حملہ کر دیا اور قریش کے ایک مقتدر حلیف عمرو بن الحضرمی کو قتل اور دیگر دو افراد کو بمعہ سامان گرفتار کر لیا۔ اس دن رجب کی یکم تاریخ ہو گئی تھی اور مسلمان ابھی جمادی الثانی کے خیال میں ہی تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔ رجب کا ماہ عرب میں لڑائی کے لئے حرام تھا۔ یہ واپس مدینہ منورہ لوٹے تو سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار کر کے فرمایا!

’’میں نے تمہیں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔‘‘

ماہ رجب میں اس خونریزی پر قریش مکہ سخت مشتعل ہو گئے۔ مسلمانوں پر حملہ کیلئے کفار مکہ کے تمام قبائل اور رؤسا پر مشتمل ایک ہزار افراد کا لشکر جرار ایک سو گھوڑوں، سات سو اونٹوں اور اسلحہ سے لیس ہو کر 6 رمضان المبارک 2 ہجری کو مکہ سے روانہ ہوا اور 16 رمضان المبارک کو میدان بدر پہنچا۔

رسول اللہ ﷺ کی سپہ سالاری میں 12 رمضان المبارک ۲ ھ کو تین سو تیرہ مجاہدین پر مشتمل لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اور 16 رمضان المبارک کو وادیٔ بدر کے نزدیک پہنچا۔ ان میں 77 مہاجرین اور 236 انصار تھے اور ان کے پاس صرف تین گھوڑے، ستر اونٹ، چھ تلواریں اور آٹھ زرہ بند تھیں۔

بدر کے میدان میں جہاں مسلمانوں نے پڑاؤ کیا وہ ریگستانی علاقہ تھا۔ اور اس جگہ پانی موجود نہ تھا۔ جس طرف مشرکین کا لشکر تھا وہاں پانی بھی تھا اور اس کے علاوہ انہوں نے پانی کی ضرورت پوری کرنے کیلئے کنویں کھود لئے تھے۔

نصرت ایزدی مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی بارش برسائی کہ پوری وادی جل تھل ہو گئی۔ جس ریت میں مجاہدین کے پیر دھنستے تھے وہ جم گئی جبکہ کفار کی جگہ پر کیچڑ بن گیا اور زمین دلدل کی طرح ہو گئی۔

مبارزت میں مجاہدین کا پلہ بھاری رہا اور عام لڑائی شروع ہوئی۔ جب آپ ﷺ نے دونوں لشکروں کو باہم دست و گریبان دیکھا اور کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت ملاحظہ فرمائی تو خیمے میں دعا و مناجات کی۔ اس وقت خیمہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا!

"اے خدا اپنے اس وعدہ کو پورا فرما جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔"

آپ ﷺ نے دعا میں اتنی الحاح وزاری کی کہ آپ ﷺ کے دوش مبارک سے چادر گر پڑی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے چادر اطہر اٹھا کر حضور ﷺ کے دوش مبارک پر ڈالی اور کہا!

"یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ﷺ نے اپنے رب سے جو مانگا ہے حق تعالیٰ بہت جلد اسے پورا کر دیں گے۔"

اس کے بعد حضّور اکرم ﷺ پر یکایک غنودگی طاری ہو گئی اور پھر آپ ﷺ نے بیدار ہو کر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے متبسم ہو کر فرمایا!

"اے ابو بکرؓ اب خدا کی مدد آ گئی ہے اور

حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر آ گئے ہیں۔"

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ بدر کی مشغولیت میں بار بار حضّور اکرم ﷺ کے پاس خیمہ میں آتا اور دیکھتا کہ حضّور اکرم ﷺ سجدے میں ہیں اور یہ دعا مانگ رہے ہیں۔

یا حی یا قیوم! برحمتک استغیث

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جب تم اپنے رب سے مناجات کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی بے شک میں تمہاری مدد پے در پے ہزار فرشتوں سے کرنے والا ہوں۔''

ربیع بن انسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کی مدد کیلئے ایک ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی، اس کے بعد تین ہزار کر دیئے۔ اس کے بعد پانچ ہزار کر دیئے۔

جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے تو حضور اکرم ﷺ نے ایک مٹھی ریت کفار کے منہ کی جانب پھینکی۔ جب وہ ریت ان کے چہروں پر پڑی تو کوئی مشرک ایسا نہ تھا کہ اس کی آنکھوں اور ناک میں اس کے ذرے نہ پہنچے ہوں۔ پھر ان کے منہ پھر گئے اور یہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

اے محبوب ﷺ

آپ نے مشت خاک نہیں پھینکی جب آپ نے پھینکی

بلکہ وہ اللہ نے پھینکی۔

دوران غزوہ حضرت عکاشہؓ کی تلوار ٹوٹ گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ایک لکڑی ان کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا اس کے ساتھ جنگ کرو۔ حضرت عکاشہؓ کے ہاتھ میں لکڑی کی چھڑی لوہے کی سفید تلوار بن گئی اور انہوں نے اس تلوار سے ہی غزوہ میں حصہ لیا یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ حضرت عکاشہؓ نے اس تلوار کا نام عون رکھا۔ بدر کے دن فرشتوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز تو سنائی دیتی لیکن فرشتے نظر نہیں آتے۔ مسلمان جب کسی کافر کا پیچھا کرتے تو قبل اس کے کہ وہ اس کافر کے قریب پہنچتے وہ یہ دیکھتے کہ اس کا سر زمین پر کٹا پڑا ہے۔

فتح کے بعد حضوّر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز تک وادیٔ بدر میں قیام فرمایا اور تیسرے دن حکم دیا کہ آپ ﷺ کی سواری لائی جائے۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے، مجاہدین کی ایک جماعت بھی آپ ﷺ کے ہمراہ ہوئی۔ حضور ﷺ اس کنویں پر تشریف لائے جس میں کفار کی لاشوں کو ڈالا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی۔

Oاے عتبہ بن ربیع

Oاے شیبہ بن ربیع

o اے ابو جہل بن ہشام

کیا تمہیں یہ خوش کن معلوم نہ ہوتا تھا کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے۔اب جبکہ پردہ اٹھ گیا ہے اور اللہ کے عذاب کو دیکھ لیا تو تم مسلمان ہونے کی آرزو کرتے ہو۔۔۔۔۔

اس کے بعد فرمایا!

o بلاشبہ ہم نے اسے حق پایا، جو اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے بھی اسے حق پایا۔ جس عذاب کی وعید تم سے کی گئی تھی۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا!

یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ﷺ ان اجسام سے مخاطب ہیں۔ جن میں ارواح موجود نہیں ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا!

o ''قسم ہے اس اللہ کی! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تم ان سے زیادہ اس بات کے سننے والے نہیں ہو۔ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں، وہ خوب سن رہے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔''

اصحاب بدر کو مدینہ منورہ واپسی پر جب فتح کی تہنیت و مبارک باد دی گئی تو انہوں نے کہا!

اے اہل مدینہ! ہمیں کس بات پر مبارک دیتے ہو

یہ فتح ہمارے زور بازو سے نہیں تھی

ہم نے کفار کو دیکھا کہ ان کے سر تن سے جدا پڑے ہیں لیکن ہم نے ان پر تلوار چلانے والوں کو نہیں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت اور مدد کو قرآن پاک کی کئی آیات میں بیان فرمایا ہے۔

1. یاد کرو جب تمہارے سکون کے لئے اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک کرے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور کرے اور تمہارے دل مضبوط اور ثابت قدم رکھے۔

2. یاد کرو جب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنا۔ میں کافروں کے دل میں رعب ڈال دوں گا۔ کافروں کی گردنیں مارو اور ہر جوڑ پر مارو، یہ اس لئے کہ انہوں نے خدا اور خدا کے رسول سے دشمنی کی ہے۔

3. اور جو خدا اور خدا کے رسول سے دشمنی کرے گا خدا اس کو سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ ہے عذاب، اس کا مزہ چکھو۔ کافروں کے لئے عذاب دوزخ ہے۔

4. مسلمانو! جب میدان جنگ میں کافروں کے مقابل آؤ تو پشت نہ پھیرو اور بجز اس کے کہ لڑنے کے لئے مڑے یا کسی دستہ کی طرف پھرے جو کوئی پشت پھیرے وہ خدا کا غضب لائے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور کیا برا ٹھکانہ ہے۔

5. مسلمانو ان کافروں کو تم نے نہیں مارا لیکن خدا نے مارا۔

6. اور اے محمد ﷺ تم نے خاک نہیں پھینکی جب تم نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی تا کہ اپنی طرف سے اہل ایمان کو اچھا انعام دے۔

7. اللہ دانا اور بینا ہے اور کافروں کے داؤ پیچ کو کمزور کرنے والا ہے اگر فتح چاہتے تھے تو فتح آچکی۔ کافرو! اب اگر رک جاؤ تو بہتر ہے اگر تم پھر مخالفت پر آمادہ ہو گئے تو ہم پھر مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ یاد رکھو! کہ تمہاری جمعیت کچھ مفید نہیں گو وہ کتنی ہی کثیر ہو۔ اور اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔

8. مسلمانو! جب کسی دستہ فوج سے مقابلہ آن پڑے تو ثابت قدم رہو اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور جھگڑا نہ کرو ورنہ سست پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ مستقل مزاج رہو۔ اللہ مستقل مزاج صابرین کے ساتھ ہے۔

9. قرآن پاک کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے عمل کو اپنا عمل قرار دیا اور اس نسبت سے مسلمانوں کے عمل کو بھی اپنا عمل قرار دیا۔ جدوجہد اور عمل کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی دعاؤں اور مناجات کو قبول فرمایا۔ اپنی نصرت اور فرشتوں کی کمک سے مسلمانوں کو فتح یاب کیا۔ عمل، دعا اور نصرت کا یہ فارمولا مسلمانوں کیلئے ہر شعبہ زندگی میں مشعل راہ ہے۔ عمل کے بغیر دعا ایک ایسا جسم ہے جس میں روح نہیں ہے۔

*****

غزوہ احد

بدر میں شکست کے بعد کفار کے سردار اس وقت کے متولی ابو سفیان نے انتقام کا عہد کیا۔ مکہ کے ایک دولت مند شخص صفوان نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ میں قتل کرنے کی خفیہ سازش کی اور عمیر بن وہب کو مال وزر کا لالچ دے کر اس کام پر آمادہ کیا۔

مسجد نبوی ﷺ کے دروازے پر حضرت عمرؓ نے اس کو پہچان کر پکڑ لیا اور آنحضرت ﷺ کے حضور پیش کر کے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! اس کی نیت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

آپ ﷺ نے عمیر سے مدینہ آنے کی وجہ پوچھی اس نے کہا! بدر میں میرا بیٹا قید ہو گیا تھا، میں اس کی رہائی کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا!

تو نے تلوار کیوں حائل کی ہے؟

عمیر نے جواب دیا! بدر میں تلوار نے ہمارا کیا ساتھ دیا ہے جواب دے گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا!

کیا صفوان نے تیرے قرض کی ادائیگی اور مال وزر کا لالچ دے کر تجھے میرے قتل کے لئے نہیں بھیجا؟

یہ سن کر عمیر پر بجلی گر گئی۔ اس نے بدحواس ہو کر کہا! بخدا میرے اور صفوان کے علاوہ کسی کو اس معاملے کی خبر نہ تھی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

قریش نے جب عمیرؓ کے مسلمان ہونے کی خبر سنی تو ان کی آتش انتقام مزید بھڑک اٹھی۔ مسلمانوں پر حملے کا حتمی فیصلہ ہوا۔ کفار مکہ کا لشکر رخت سفر باندھ رہا تھا تو سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباسؓ نے ایک قاصد کے ذریعے کفار کے لشکر کی تعداد اور کیفیت سے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا۔ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حبابؓ بن منذر کو لشکر کفار کی تعداد اور کیفیت حاصل کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے حضرت عباسؓ کی خبر کی تائید فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

*اللہ ہی ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے

اے اللہ! میں تجھ ہی سے طاقت مانگتا ہوں

اور میں تجھ ہی سے رعب و دبدبہ مانگتا ہوں

دشمن سے مقابلہ کیلئے مشاورت کے دوران مسلمانوں کی رائے میں اختلاف واقع ہوا۔ صائب رائے یہ تھی کہ مدینہ طیبہ سے باہر نہ نکلا جائے بلکہ شہر میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، عورتوں اور بچوں کو محفوظ جگہ پر بھیج دیا جائے لیکن حضرت حمزہؓ، حضرت سعدؓ، مہاجرین کی ایک جماعت اور اوس و خزرج کے قبائل نے رائے دی کہ مقابلہ مدینہ سے باہر کیا جائے۔ اللہ نے بدر میں ہمیں نصرت دی ہے اور اب تو بدر سے زیادہ قوی لشکر ہمارے پاس ہے۔

اس مشاورت کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا۔

*اگر تم نے صبر کیا اور ثابت قدم رہے تو تمہیں فتح ہو گی۔

لشکر ترتیب دیا گیا۔ نماز عصر قائم فرمانے کے بعد آپ حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے اور زرہ زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے۔

اب صحابہ کرام کو ندامت محسوس ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی واضح رائے کے خلاف مشورہ پیش کر کے اچھا نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

* صحیح نہیں ہے کہ اللہ کا نبی زرہ پہن کر جہاد کے بغیر زرہ اتار دے،

اب جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اسے سنو اور عمل کرو!

صبر و استقامت پر قائم رہو، نصرت تمہاری ہو گی۔

لشکر اسلام کی تعداد ایک ہزار تھی جس میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے مقام شیخین سے عبداللہ بن ابی کے ساتھ تین سو منافق یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ ہمارے مشورے پر عمل نہیں کیا گیا، اس طرح مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ سیدنا حضوؐر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ہوئی تو آپ نے مجاہدین سے فرمایا

*اللہ نے دشمنوں کو تم سے دور کر دیا ہے۔

وہ تمہیں ان سے بے نیاز رکھے گا۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دوسری صبح وادئ احد پہنچے تو نماز فجر کا وقت تھا۔ حضرت بلالؓ نے اذان اور اقامت کہی۔ صفیں درست ہوئیں اور آپ ﷺ نے نماز فجر قائم فرمائی۔ احد کا پہاڑ مدینہ کے شمال میں نیم دائرہ کی شکل میں ہے۔ اس کا طول چھ یا سات میل ہے۔ احد کی نیم دائرہ کی قوس میں اسلامی لشکر نے پڑاؤ کیا۔ جبل احد کیلئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلامی لشکر کی صف بندی اس طرح فرمائی کہ پشت پر جبل احد اور سامنے مدینہ تھا۔ جبل عینین کی ایک گھاٹی یا درہ سے پشت پر حملہ کا خطرہ تھا۔ حضور ﷺ نے عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ اس کی حفاظت پر مامور فرمایا اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ

*مسلمان غالب ہوں یا مغلوب تم کسی حال میں اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔

دوبارہ فرمایا

*اگر تم یہ دیکھو کہ ہمیں پرندے اٹھا کر لے جا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔ جب تک کہ میں تمہیں بلانے کیلئے کسی کو نہ بھیجوں۔

*اگر تم دیکھو کہ ہم نے لشکر کفار کو شکست دے دی ہے اس وقت بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔

*اور اگر وہ ہم سب کو قتل کر دیں تب بھی مقررہ مقام تبدیل نہ کرنا۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مصعبؓ کو فوج کا جھنڈا دیا۔ حضرت زبیرؓ بن عوام کو رسالہ کا امیر بنایا اور حضرت حمزہؓ کو اس فوج کی کمان دی جو زرہ پوش نہیں تھی۔ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی شمشیر حضرت ابودجانہؓ کو دی اور فرمایا۔

اس کا حق یہ ہے کہ اس کو دشمنوں پر اتنا چلایا جائے کہ گھس کر خم کھا جائے۔

ابودجانہؓ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ! میں اسے اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔

لڑائی کے آغاز میں مکہ کے لشکر سے ابو عامر راہب میدان میں آیا اور پکارا۔ میں ابو عامر ہوں۔

یہ فاسق ایک راہب تھا جو نبوت سے قبل حضور اکرم ﷺ کے ظہور کی خبریں دیا کرتا تھا لیکن اعلان رسالت کے بعد اس نے انکار کر دیا۔ابو عامر کے ساتھ پچاس تیر اندازوں نے تیر پھینکے۔مسلمانوں نے بھی اس پر تیر برسائے یہاں تک کہ ابو عامر میدان سے بھاگ گیا۔

اس کے بعد کفار کا علمبر دار طلحہ آگے بڑھا اور طنزیہ کہا۔

کون ہے جو مجھے جہنم بھیج دے یا میں اسے جنت میں پہنچادوں۔

حضرت علیؓ نے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔اس کے بعد طلحہ کا بھائی عثمان رجز پڑھتا ہوا بڑھا تو حضرت حمزہؓ سامنے آ گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی۔حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت ابو دجانہؓ نے بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ دشمنوں کی لاشیں خاک نشیں ہو گئیں۔

حضرت ابو دجانہؓ نے سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شمشیر کے ساتھ فخر سے اکڑتے ہوئے میدان کا رخ کیا تو سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا! گرچہ اللہ تعالیٰ اس چال سے ناراض ہوتا ہے لیکن اس موقع پر نہیں! آپؓ نے کئی کافروں کو قتل کیا آخر میں رجز گاتی ہوئی ابو سفیان کی بیوی ہندہ سامنے آ گئی لیکن آپ نے اس کے سر پر تلوار روک لی تاکہ سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلوار ایک عورت کے خون سے آلودہ نہ ہو۔

ایک حبشی غلام نے تاک کر نیزہ پھینکا جو حضرت حمزہؓ کی ناف میں لگا اور آر پار ہو گیا۔حضرت امیر حمزہؓ شہید ہو گئے۔شہادت کے بعد وحشی غلام نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے ان کا جگر نکالا اور ہندہ بنت عتبہ کو لا کر دیا۔ہندہ نے خون بہتا جگر چبا کر تھوک دیا۔

کلیجہ چبانے پر بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو ہندہ بنت عتبہ نے حضرت حمزہؓ کے کان، ناک اور ہاتھ پاؤں کاٹ لئے۔آسمان اور زمین نے وحشت اور بربریت کی ایسی ہولناک تصویر کبھی نہیں دیکھی تھی۔جب یہ واقعہ ہوا تو درندگی نے بھی شرما کر اپنا منہ پھیر لیا۔

خالد بن ولید نے جبل احد کے پیچھے سے کئی مرتبہ حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرر کردہ تیر اندازوں نے تیروں کی بارش کر کے خالد بن ولید کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔

مسلمان لشکر کفار پر غالب آ گئے اور مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔جب تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار بھاگ رہے ہیں اور مسلمان مال غنیمت جمع کر رہے ہیں تو وہ امیر کے منع کرنے کے باوجود سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی واضح اور مکمل ہدایات نظر انداز کر کے پہاڑ سے نیچے اتر آئے اور میدان سے مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا۔

خالد بن ولید دوبارہ جبل احد کے پیچھے سے حضرت عبداللہ بن جبیر پر حملہ آور ہوا اور گنتی کے چند افراد کو شہید کر کے مسلمانوں پر پشت سے حملہ کر دیا۔ لشکر اسلام تتر بتر ہو گیا۔ ایک دوسرے کی شناخت نہ رہی۔ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی بہت بڑی سزا ملی۔

دنیاوی مال واسباب کی محبت نے مسلمانوں کو شکست کے قریب پہنچا دیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے میدان نہیں چھوڑا۔ ان کے ساتھ چند صحابہ حوصلہ وہمت کے ساتھ ڈٹے رہے۔ کچھ لوگ جہاد میں مصروف رہے اور کچھ حوصلہ ہار گئے۔ اسی دوران مشرکین نے افواہ اڑا دی کہ نبی مکرم ﷺ وفات پا گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف بارہ صحابی موجود تھے کہ کعب بن مالک نے بآواز بلند کہا: "رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں۔" جس نے بھی یہ آواز سنی وہ رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد جمع ہو گیا۔ مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہوتے دیکھ کر دشمن نے اپنی ساری طاقت اسی طرف لگا دی۔۔۔۔۔۔ یہ بڑا ہی کٹھن وقت تھا۔۔۔۔۔۔ مسلمان اپنے نبی کے گرد جمع تھے انہیں رسول اللہ ﷺ کو حرمت و عافیت کے ساتھ دیکھنے کا شوق تھا۔۔۔۔۔۔ اور سر پر دشمن کی بے نیام تلواریں تھیں۔ آپ ﷺ جانثار صحابہ کرام کے ساتھ دشمن کے گھیرے میں تھے۔۔۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کا حوصلہ بڑھایا اور دشمن سے برسرپیکار ہونے کا حکم دیا۔۔۔۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ ﷺ پر اپنی جان نثار کر رہے تھے۔

عبداللہ بن قمیہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گیا۔ اس کی تلوار بلند ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے خود کی دو کڑیاں چہرہ انور میں چبھ گئیں۔ ابی وقاص کے بیٹے عتبہ کے پتھر سے آپ ﷺ کا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ دانت مبارک ٹوٹ گئے، جانثار رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ ابو دجانہؓ نے جھک کر ہر تیر کو اپنی پیٹھ پر روکا۔ حضرت طلحہؓ نے تلوار کے وار اپنے ہاتھ پر روکے ان کا ہاتھ جسم سے الگ ہو گیا۔ ابو طلحہ نے سپر سے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کو ڈھانپ لیا تاکہ آپ ﷺ پر کوئی وار کارگر نہ ہو۔

حضرت ام عمارہؓ صحابیہ پانی لے آئیں اور اس کوشش میں زخمی ہو گئیں۔ خون سے لبریز حالت میں بھی آپ ﷺ فرما رہے تھے

*یااللہ میری قوم کو بخش دے۔ یہ مجھے جانتی اور پہچانتی نہیں۔ وہ جانتے نہیں کہ کیا کر رہے ہیں۔

مشرکین کے حملے میں شدت کم ہوئی تو آپ ﷺ چند جانثاروں کے ساتھ غار میں داخل ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہیں جیسے ہی مدینہ پہنچیں۔ خاتون جنت حضرت فاطمہؓ بھی آ گئیں۔ حضرت علیؓ خود میں پانی لائے۔ حضرت فاطمہؓ نے خون دھویا۔ خون رکنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھی اور پٹی باندھ دی گئی۔ غزوہء احد میں مسلمانوں نے اللہ کی بجائے کثرت تعداد اور اسباب کے بھروسہ میں رسول اللہ ﷺ کی واضح رائے کے برعکس مشورہ کیا اور مال غنیمت کی محبت میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واضح فرمان کی حکم عدولی کر کے فتح کو شکست میں بدل دیا۔ یہ لمحہ فکر و عمل ہے۔

غزوہ خندق

غزوہ بدر اور غزوہ احد کے بعد کفار کی اسلام دشمنی میں مزید شدت پیدا ہوتی چلی گئی بلکہ غزوہ احد میں مسلمانوں کے شدید نقصان پر ان کی آتشِ انتقام اس حد تک بڑھ گئی کہ وہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے یکسر مٹانے پر تل گئے تھے۔

اس پس منظر میں کفار مکہ نے عرب کے مختلف قبائل سے اتحاد کیا اور دوسری جانب مدینہ سے جلا وطن یہودیوں نے مکہ مکرمہ میں غلاف کعبہ پکڑ کر مکہ کے سردار ابوسفیان سے سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عداوت میں عہد و پیمان کیا۔ اس طرح قریش مکہ، عرب قبائل اور یہود پر مشتمل دس ہزار افراد کا ایک ٹڈی دل لشکر سلطنت اسلام کو ختم کرنے کے ناپاک ارادہ سے جمع ہوا۔ ابوسفیان اس لشکر کا سردار تھا جس میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ شامل تھے۔

سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب دشمنان اسلام کی روانگی اور حملہ کی اطلاعات ملیں تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ نے ایران میں رائج طریقۂ جنگ پر خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور میدان جنگ کی مناسبت سے خندق کا نقشہ ترتیب دیا۔

مدینہ منورہ تین اطراف میں دشوار گزار پہاڑیوں، عمارات اور باغات سے گھرا ہوا تھا اور صرف شمالی جانب سے کھلا تھا۔ چنانچہ سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس رخ پر مشرق سے مغرب تک نیم دائرہ کی شکل میں خندق کے لئے نشان لگایا۔ یہ خندق پندرہ فٹ گہری اور پندرہ فٹ چوڑی اور تقریباً ساڑھے تین میل لمبی تھی۔

ان دنوں شدید سردی کا موسم تھا۔ سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھوک اور فاقے کی حالت میں صحابہ کرام کے ساتھ بنفس نفیس اس کھدائی میں حصہ لیا۔ صحابہ کرام خندق سے مٹی کندھوں پر رکھ کر باہر نکالتے۔ سنگلاخ زمین اور سردی کے موسم میں بھوک اور محنت و مشقت کے اس مظاہرہ پر سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رجزیہ اشعار پڑھ کر صحابہ کرام کو حوصلہ دیا اور ان کے جذبہ کی ستائش فرمائی۔

خندق کی کھدائی میں ایک بہت بڑی اور مضبوط چٹان نکل آئی جو کسی حالت میں نہ ٹوٹتی تھی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام حضوّر اکرم ﷺ کے پاس پہنچے اور صورتحال بیان فرمائی تو رسول اللہ ﷺ نے اس چٹان پر بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی تو ایک تہائی چٹان ریت کی مانند ریزہ ریزہ ہو گئی۔

آپ ﷺ نے فرمایا

* ''اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں

خدا کی قسم! میں نے بلاشبہ شام کے سرخ محلات کو اس ضرب میں دیکھا۔''

اس کے بعد دوسری ضرب لگائی تو چٹان کا مزید ایک تہائی حصہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا!

* ''اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔

خدا کی قسم! میں نے اس گھڑی مدائن کے سفید کنگرے دیکھے ہیں۔''

اس کے بعد تیسری ضرب لگائی تو بقیہ تہائی چٹان بھی ریزہ ریزہ ہو گئی۔

آپ ﷺ نے فرمایا

* ''اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئیں۔

خدا کی قسم! میں جہاں اس وقت کھڑا ہوں یہاں سے صنعا کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔''

خندق کی کھدائی 20 روز میں مکمل ہوئی۔ آپ ﷺ کے لئے سرخ رنگ کا خیمہ لگایا گیا۔ پہاڑی اطراف میں حفاظتی چوکیاں بنائی گئیں۔ عورتوں اور بچوں کو محفوظ حویلیوں میں منتقل کر دیا گیا۔ اسلامی لشکر تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا اور ان کے ساتھ صرف 36 گھوڑے تھے۔ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجاہدین کو دستوں میں تقسیم فرما کر، خندق کے ساتھ ساتھ فاصلے پر متعین فرمایا۔ خندق کے اندرونی کنارے پر پتھر جمع کر لئے گئے تاکہ بوقت ضرورت دشمنوں پر مارے جا سکیں۔

ابو سفیان کی قیادت میں کفار مکہ کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو عرب کے دیگر وحشی اور درندہ صفت قبائل اور حلیف یہودی بھی اس جم غفیر میں شامل ہو چکے تھے۔ انہوں نے جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے باہر مقابلہ کے لئے نہ پایا تو غیض و غضب میں بھر گئے اور جب ٹڈی دل لشکر نے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان حائل وسیع و عریض خندق اور حفاظتی انتظامات دیکھے تو تشش و پنج اور حزن و ملال میں گرفتار ہو گئے اور ان کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

دو ہفتہ تک مشرکین جوش جذبہ کے ساتھ خندق عبور کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اکثر نڈر اور جانباز گھوڑ سوار خندق ٹاپنے کی جسارت میں خندق میں گر کر ہلاک ہو گئے اور اگر کوئی خندق عبور کر گیا تو مجاہدین نے اس کا کام تمام کر دیا۔ مسلمان تیر اندازوں نے

انہیں خندق سے دور رکھا۔ کفار مکہ کے مشہور جرنیلوں نے اپنی اپنی مقررہ باری پر حتی المقدور کوشش کے باوجود خندق عبور کرنے میں ناکامی کا سامنا کیا۔ اس طرح سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکمت اور بصیرت نے مخالفین کی قوت اور جوش وجذبہ کو خاک میں ملا دیا۔

ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی وہاں سے مشہور اور بہادر عرب پہلوان عمرو چند نوجوانوں کے ساتھ خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا اور مسلمانوں کو مقابلے کیلئے للکارا۔ عمر تنہا ایک ہزار سوار کے برابر بہادر اور شجاع سمجھا جاتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا نے ایک وار میں اس کے دو ٹکڑے کر کے نعرہ تکبیر بلند کیا تو عمرو کے ساتھی بھی فرار ہو گئے۔ اس روز تمام دن یہ سلسلہ جاری رہا اور مسلمان ہر جانب سے مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس دوران نماز ظہر، عصر اور مغرب بھی قضا ہوئیں جنہیں بعد میں ادا کیا گیا۔

مدینہ منورہ کے اندرونی دفاع میں یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی غداری سے خطرہ ہوا تو سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو تین سو افراد کے ہمراہ مدینہ کے مکانات اور گھروں کے دفاع کیلئے روانہ فرمایا جہاں خواتین اور بچے قیام پذیر تھے۔ اگرچہ محاصرے کی طوالت سے مسلمان بھی مشکلات کا سامنا کر رہے تھے لیکن کفار ہمت و حوصلہ ہارتے چلے جا رہے تھے۔ اسی دوران کفار میں موجود ایک نو مسلم نے خاموشی سے سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کفار میں پھوٹ ڈالنے کی اجازت طلب کی۔ یہ مجاہد نعیمؓ بن مسعود تھے جن کے ایمان سے ابھی تک کفار آگاہ نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے یہود کے باغی قبیلے بنو قریظہ اور قریش مکہ کے لشکر میں موجود بنو غطفان میں ایسی پھوٹ ڈالی کہ وہ ایک دوسرے کے متنفر اور بیزار ہو گئے۔

کفار کا لشکر حوصلہ ہار رہا تھا۔ ان کی رسد ختم ہو رہی تھی کہ قریش مکہ کو حج کے انتظامات کی فکر لاحق ہو گئی۔ موسم کی شدت میں اضافہ سے سردی بڑھ گئی۔ سپاہی بیمار و ہلاک ہو رہے تھے اور غذا و چارہ کی قلت بڑھ رہی تھی اب یہ سب بہانے سوچنے لگے کہ کس طرح واپس ہوا جائے۔

آخری دن سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام ظہر و عصر کے دوران مسلسل دعا میں مصروف رہے۔

*یا اللہ! تو قرآن کا نازل فرمانے والا ہے

اور جلد حساب کرنے والا ہے۔ ان قبیلوں کو شکست دے

اے اللہ! ان کو شکست دے اور ان کو لڑ کھڑا دے

اور ان پر ہماری مدد فرما۔

رات کو اس قدر تیز آندھی آئی کہ کفار کے قدم اکھڑ گئے۔ان کے خیمے گر پڑے۔دیگیں اور بڑے برتن الٹ گئے۔ بارش، طوفان اور بادلوں کی گرج میں کفار کی مایوس فوج خوف وہراس کا شکار ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے آندھی، بارش اور فرشتوں کی جماعت سے مجاہدین کی مدد فرمائی۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے!

*اے ایمان والو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی

جب تمہارے پاس لشکر آیا تو اللہ نے ان پر آندھی بھیجی

اور ایسا لشکر بھیجا جو تمہیں نظر نہیں آتا تھا اور

اللہ دیکھ رہا تھا جو تم کر رہے تھے اور

جنگ میں مسلمانوں کو اللہ کافی ہے اور اللہ قوی اور غالب ہے۔

حضرت حذیفہؓ جب رسول اللہ ﷺ کے حکم سے کفار کے لشکر میں حالات معلوم کرنے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ہوا کے طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے، دیگیں الٹ دیں، آگ کے بگولے اٹھ رہے تھے، گھوڑے بدمست دوڑ رہے تھے اور سنگریزوں کی آوازیں آ رہی تھیں جو ان پر پڑ رہے تھے۔ صحابی رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں واپس آ رہا تھا تو راستہ میں سفید عمامہ باندھے بیس سوار ملے۔انہوں نے مجھ سے کہا تم اپنے آقا کو خبر دے دو کہ حق تعالیٰ نے کفار کے لشکر سے آپ ﷺ کو نجات دی۔میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے بھی نماز مکمل کر کے تبسم فرمایا اور مجھے بشارت دی۔

جب آندھی، آگ اور بارش کا یہ طوفان بجلی کی چمک اور کڑک میں عروج پر پہنچا اور لشکر تباہ و برباد ہوتا نظر آیا تو ابوسفیان نے عجلت میں جلسہ کیا، حالات بیان کر کے خود ہی جلدی میں فیصلہ سنایا کہ میں تو گھر جا رہا ہوں تم بھی سفر کرو اور سیدھا اپنے اونٹ کے پاس آیا اور بدحواسی میں اسے مارنا شروع کر دیا کہ وہ اٹھ کھڑا ہو۔ حالانکہ اس کے پیر بندھے ہوئے تھے اور اٹھ نہ سکتا تھا۔ایک دوسرے آدمی نے اونٹ کے پیر کھولے تو وہ اٹھنے کے قابل ہوا۔اس طرح قریش اور حلیف قبائل ناکام واپس لوٹ گئے۔جب صبح صادق نے رات کا پردہ چاک کیا تو مجاہدین نے دیکھا کہ مدینہ سے دشمنوں کا ناپاک وجود صاف ہو چکا ہے۔

مسلمان مدینہ منورہ لوٹ گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے، سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقعہ پر فرمایا!

''اب قریش کی لڑائیاں ختم ہو گئیں آئندہ ہم ان پر چڑھائی کریں گے۔''

کفار کے لوٹ جانے کے بعد حضرت جبرائیلؑ، سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غزوہ خندق کے دوران مدینہ منورہ میں موجود یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی وعدہ خلافی اور بغاوت کی بنا پر اللہ کا حکم سنایا اور کہا!

*آپ ﷺ نے تو ہتھیار اتار دیئے مگر ہم نے ابھی تک نہیں اتارے چلیئے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ بنو قریظہ کی طرف چلیں۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ میں اعلان کردیں اور کہہ دیں کہ اے خدا کے شہسوارو!

سوار ہو جاؤ اور ان کو بتادو کہ جو خدا کے حکم کا فرمانبردار اور جاننے والا ہے۔ اسے چاہیئے کہ نماز عصر بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو جھنڈا دیا۔ آپؐ کے دائیں طرف حضرت ابو بکر صدیقؓ اور بائیں طرف حضرت عمر فاروقؓ تھے۔

انصار و مہاجرین پر مشتمل یہ لشکر شام تک بنی قریظہ پہنچا اور روایت ہے کہ پندرہ یا پچیس روز محاصرہ رہا۔ بالآخر بنو قریظہ نے مجبوراً ہتھیار ڈال دیئے اور حضرت سعد بن معاذؓ نے طرفین سے عہد و پیمان کے بعد یہود کی اپنی کتاب توریت کی رو سے یہ فیصلہ سنایا۔

- بنو قریظہ کے بالغ مرد قتل کردیئے جائیں
- زن و بچے گرفتار کر لئے جائیں
- تمام مال ضبط کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ تم نے حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ چونکہ یہ فیصلہ توریت کے عین مطابق تھا اس لئے یہودیوں کو قبول کرنا پڑا چند یہودیوں نے ایمان قبول کیا اور انہیں امان دی گئی اگرچہ سردار قریظہ کعب بن اسد نے اپنی قوم سے پہلے بھی یہ کہا تھا کہ:

''اے گروہ یہود! محمد ﷺ پر ایمان لاؤ کیونکہ یہ خدا کے وہی رسول ہیں جن کے اوصاف توریت میں بتائے گئے ہیں اور تم بھی جانتے ہو کہ یہ وہی نبی آخر زمان ہیں۔ ہم نے ان کی تکذیب اور ان کا انکار حسد و عناد کی بناء پر کیا ہے (کہ یہ بنی اسرائیل میں سے نہیں) اگر تم ایمان لے آؤ تو تمہارے اموال اور جان سب پر سلامتی رہے گی۔''

آج اس موقع پر جب بنو قریظہ کے افراد مارے جا رہے تھے تو رسول ﷺ نے کعب سے فرمایا:

''اے کعب! ایمان لے آ۔ تُو تو خوب جانتا ہے کہ میں رسول برحق ہوں۔''

کعب نے کہا! میں آپ کی تصدیق تو کرتا اور آپ کی اطاعت کرتا لیکن اس شرم سے کہ لوگ کہیں گے کہ جان کے خوف سے عاجز ہو کر ایمان لے آیا۔ میں دین یہود پر مرتا ہوں۔

اس پر اسے بھی قتل کر دیا گیا۔اس طرح غزوہءاحزاب کے بعد مسلمانوں نے نہ صرف قریش مکہ اور عرب قبائل کے خطرے سے نجات حاصل کی بلکہ مدینہ کی حدود میں واقع آخری یہود قبیلہ بنو قریظہ کو بھی ختم کر دیا۔

*

تمام خواتین و حضرات جن پر رسولﷺ کی روحانی تعلیمات عام کرنے کی ذمہ داری ہے اور وہ خواتین و حضرات جنہیں حضّور پاکﷺ سے محبت کا دعویٰ ہے اور تمام مسلمان خواتین اور مسلمان مرد جو حضّور پاکﷺ کے امتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں سب بلاشبہ خوش بخت اور سعید ہیں لیکن اس خوش بختی، سعادت اور دنیاو آخرت کی خوشیاں حاصل کرنے کے لئے ہم سب پر لازم ہے کہ ہم سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات اور اخلاق حسنہ پر عمل کر کے پہلے خود اپنی اصلاح کریں پھر اپنے بہن بھائیوں میں سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پھیلائیں یہاں تک کہ ہم کامیاب ہو جائیں۔

دنیائے اسلام میں جس محبت، ایثار اور عشق کے ساتھ رسول اللہﷺ کے مسعود و مبارک میلاد کو منایا جاتا ہے بلاشبہ وہ بہت بڑی سعادت ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر قائم ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ہم دنیاوی اور سائنسی علوم سیکھنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے براہ راست عطا کردہ علوم بھی سیکھیں۔

*یہ وہ علوم ہیں جو حضّور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں مراقبہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کئے گئے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مادی وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوتی۔جس فرد پر موت وارد ہو جاتی ہے وہ مادی وجود اور جسمانی نظام کے موجود ہوتے ہوئے بھی کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔لہٰذا ضروری ہے کہ حضّور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اس حقیقت کا ادراک اور مشاہدہ کر لیں کہ انسانی زندگی کا دارومدار جسمانی نظام پر نہیں بلکہ جسمانی نظام کو متحرک رکھنے والی روح پر ہے۔اس بات کو سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح فرمایا ہے۔

جس نے اپنی روح کو پہچان لیا

اس نے اپنے رب کو پہچان لیا

اور جس نے اپنے رب کو پہچان لیا

اس نے غیب کی دنیا کا ادراک کر لیا

اللہ کے محبوب ﷺ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو جو مقام عطا کیا ہے وہ ازل تا ابد تک قائم رہے گا۔اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی جتنی نعمتیں عطا فرما سکتے تھے اللہ نے وہ نعمتیں اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام کیں ہیں۔ محبوب رب العالمین محمد رسول اللہ ﷺ کے مقام پر تمام انبیاء فخر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام نعمتیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری کر دی ہیں۔اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے۔ غور طلب بات ہے کہ جتنی بڑی کائنات ہے اللہ اس سے بہت بڑا ہے۔ کائنات اتنی بڑی ہے کہ اس میں اربوں کھربوں آباد زمینیں، لاکھوں چاند، سورج اور کھربوں کہکشائیں ہیں۔ اللہ کی تعریف یہ ہے کہ اگر تمام سمندروں کی روشنائی بنائی جائے اور تمام درختوں کے قلم بنا لئے جائیں تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے اربوں کھربوں درخت پیدا کئے ہیں اگر حساب لگائیں کہ ایک بڑے درخت میں سے کتنے قلم بن سکتے ہیں۔ سارے درختوں کے قلم بنائے جائیں اور سارے سمندروں کی روشنائی بنائی جائے تب بھی اللہ کی باتیں پوری نہیں ہوں گی۔ البتہ اربوں سنکھوں درخت اور بے شمار سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کے کلمات اور نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی تعریف بیان کرنے کیلئے انسانی شعور میں سکت نہیں ہے۔ اللہ کی نعمتیں شمار نہیں کی جا سکتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ پر اپنی نعمتیں تمام کیں ہیں۔ اس سے سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعارف کیلئے بنائی اور اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے ان تعلیمات کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی عنوان سے ایک اور بات ضرور کہی کہ میرے بعد آخر میں ایک اور نجات دہندہ آئے گا اور یہ سلسلہ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہوا۔ یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر نقارہ بجا کر یہ اعلان کرتے رہے کہ محمد ﷺ آئیں گے۔ کسی نے آپ کا کوئی نام بتایا کسی نے نجات دہندہ کہا اور کسی نے فارقلیط رکھا سب کا مقصد اور منتہا حضّور پاک ﷺ کی ذات گرامی تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پیغمبروں کے ذریعے اپنے حبیب ﷺ کا تعارف کرایا۔ پیغمبروں کے مبعوث ہونے کے درمیان کتنا وقفہ رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام 2 ہزار سال پہلے تشریف لائے تھے اور ان کے 500 سال بعد سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے۔ سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان 5 سو سال کا وقفہ رہا اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار کو 500 سے ضرب دی جائے تو قریباً اتنے عرصہ تک اللہ تعالیٰ نے اس آباد دنیا کو بنا سجا کر رکھا اور ہر پانچ سو یا ہزار سال بعد اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر اس لئے بھیجا کہ نوع انسانی کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا حبیب آرہا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے مابین کروڑوں سال بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی تشہیر اور رونمائی کے لئے کروڑوں سال پر محیط عرصہ کا انتظار واہتمام کیا اور اپنے اس محبوب ﷺ کی رونمائی کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ بے شمار صحیفے اور آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء، اللہ کے دوست بے شمار اولیاء کرام اور ان کے کروڑوں پیروکار ایک ہی اعلان کی تکرار کرتے رہے کہ انتظار کریں اللہ کا محبوب ﷺ آئے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے ماننے والوں کی تعداد ایک ارب ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے ماننے والے افراد کی مجموعی تعداد کا اندازہ یا شمار کیا جائے تو یہ حساب و کتاب ایک ناممکن عمل ہے۔ کوئی شخص آپ کو وہ تعداد نہیں بتا سکتا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی آمد کا اعلان کیا۔ کمپیوٹر سے بھی انسان کی علمی استعداد کے مطابق ہی حساب کیا جا سکتا ہے جو زیادہ سے زیادہ ارب، کھرب اور سنکھ درسنکھ ہے۔ انسانی شماریات کا کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس سے یہ کہا جا سکے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی آمد کا اعلان کتنے افراد سے کروایا ہے۔

سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی روایات کو قائم رکھا اور اللہ کی توحید اور اچھائی و برائی کا پرچار کیا اور بت پرستی، جھوٹ، لڑائی و فساد سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے ہر وہ بات فرمائی جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے کی لیکن ایک بات نہیں دہرائی کہ میرے بعد کوئی اور نجات دہندہ بھی آئے گا۔ بلکہ اللہ کی آواز میں رسول اللہ ﷺ نے واشگاف انداز میں یہ فرمایا کہ وہ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے ساتھ ہی نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ کروڑوں سال اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کرایا ہے۔

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آنے والے ہیں۔

یہ اعلان اس لئے ہوتا رہا کہ انسانوں کے اندر حضور ﷺ کو جاننے،

ماننے اور پہچاننے کا شعور بیدار ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام بھی محمد رکھا۔۔۔۔۔۔ محمد کے معنی ہیں، تعریف کیا ہوا۔ حضّور پاک ﷺ کی ساری زندگی تعریف شدہ ہے اور کائنات میں صرف نبی کریم، صادق وامین، سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایسی ہستی ہیں جن کی تعریف خود اللہ نے کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں!

*اور ہم نے اپنے محبوب بندے کو اپنا قرب اور وصل عطا کیا

اور اپنے محبوب سے راز و نیاز کی باتیں کیں

یہ خواب وخیال نہیں ہے

بلکہ ہمارے محبوب نے جو دیکھا اور سنا سب حقیقت ہے۔

میرے آقا ﷺ کیلئے کروڑوں سال سے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس بات کا اعلان کرتے رہے کہ اللہ کا بندہ آئے گا اور نوع انسانی کے شعور کو اس بات کیلئے تیار کرتے رہے کہ اللہ کا بندہ آنے والا ہے۔ جب یہ کام پورا ہو گیا تو اللہ کے حبیب ﷺ تشریف لے آئے۔ پندرہ سو سال میں سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف و توصیف میں ہزاروں کتابیں، لاکھوں صفحات اور اربوں کھربوں الفاظ لکھے گئے ہیں اور قیامت تک لکھے جاتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ اور ان پڑھ رسول کی شان اس طرح بیان فرمائی کہ آپ ﷺ کی بلند تر تعریف و توصیف قرآن پاک میں موجود ہے۔

پندرہ سو سال سے قرآن پاک کی تفاسیر لکھی جارہی ہیں۔ ہر آدمی جو قرآن پاک کو سمجھنے کی کوشش کرکے اس کی تفسیر لکھنے کی سعی کرتا ہے اور جتنی گہرائی میں وہ قرآن پاک پر تفکر کرتا ہے اتنا ہی قرآن پاک کے انوارات سے اس کا دماغ روشن ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ آدمی ان روشنیوں اور انوار سے معمور ہو کر گم سم اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔

ہم مسلمان ایک ذیشان پیغمبر ﷺ کے امتی ہیں اور سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارا وسیلہ ہیں۔ یہ ہمارا افتخار ہے کہ ہم اللہ کے محبوب و برگزیدہ بندے کی امت میں ہیں۔ جس محبوب کے تعارف کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔

مسلمانوں نے اس نسبت اور نعمت کا کتنا احترام کیا ہے اور

ہم نے اس نعمت اور قرآن سے کتنا فائدہ اٹھایا ہے؟

یہ لمحۂ فکریہ ہے۔

رسول اللہﷺ کی پیدائش سے بعثت تک اور بعثت سے وصال تک زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ آپﷺ کی حیات مبارکہ اور سیرت طیبہ کی کوئی بات مخفی نہیں ہے۔ رسول اللہﷺ نے جو کچھ فرمایا وہ ہم سب نے سنا بھی ہے اور سب کو زبانی یاد بھی ہے لیکن امت مسلمہ نے آپﷺ کی سیرت مبارکہ کو اپنی عملی زندگی میں کتنا اپنایا ہے اور قرآن پاک کی صورت میں موجود آپﷺ پر اللہ کی نعمت سے کیا فائدہ اٹھایا ہے ؟اس کا اندازہ آج مسلمان کی حالت وزار دیکھ کر باآسانی ہو جاتا ہے۔

مسلمان دنیا کی پست ترین قوم شمار ہوتی ہے۔ فساد، خون ریزی، ملاوٹ، غیبت، سیاسی قلا بازیاں، جھوٹ، سودی لین دین کے ساتھ اللہ کا دشمن بننا۔۔۔۔۔ مسلمانوں کا عام رویہ ہے۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھا سچا مسلمان بننے کی توفیق دے۔ ہمیں نبی محترم حضرت محمدﷺ کے اخلاق حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

رسول اللہﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے نوع انسان کی شعوری وسعت کو معراج ملی۔ اگر ہم رسول اللہﷺ کی زندگی پر غور کریں اور رسول اللہﷺ کی پیدائش سے لے کر شعور کی پختگی تک زندگی کو قدرے اختصار سے بیان کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ رسول اللہﷺ نے ہمیشہ اللہ کی آیات اور نشانیوں پر غور و فکر کیا اور مسلمانوں کو یہی درس دیا ہے۔ شعوری وسعت پیدا کرنے کیلئے تفکر ایک ضروری عمل اور رسول اللہﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہ السلام کی سنت ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اولی الالباب لوگوں کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ کی آیات، انسان کی پیدائش، مخلوقات کو زندگی قائم رکھنے کیلئے زمین پر موجود اللہ کے عطا کردہ وسائل اور الہامی کتب پر غور و فکر کرتے ہیں۔ رسول اللہﷺ کی سیرت پر عمل کرتے ہیں۔ اگر امت مسلمہ دین اور دنیا کی سربلندی میں سرخرو ہونا چاہتی ہے تو اسے حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عمل کر کے اللہ کی نشانیوں پر غور و فکر کرنا ہو گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ نے سمٰوات، زمین اور ان میں موجود وسائل اور چیزیں انسان کے لئے مسخر کر دی ہیں۔

اے میری قوم۔۔۔۔۔ میرے آقا نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کی بدنصیبی ہے کہ وہ آج اس عظیم نعمت سے محروم ہو گئے ہیں جو امت کی حیثیت سے ہمارا ورثہ ہے۔ تمام انبیاء کی تعلیمات میں یہ بات شامل رہی ہے کہ ہمارے بعد اللہ تعالیٰ کا ایک خاص بندہ اور نوع انسانی کا نجات دہندہ آئے گا یہاں تک رسول اللہﷺ تشریف لے آئے۔

آپﷺ نے انبیاء سابقین کیلئے فرمایا کہ میں کوئی نئی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں وہی بات کہہ رہا ہوں جو انبیاء نے فرمائی ہے۔

آپﷺ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرمایا کہ میں نے اپنی تمام نعمتیں پوری کر دی ہیں اور دین کی تکمیل کر دی ہے تو اس ارشاد کا بھی یہی مفہوم ہے کہ حضّور کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا کیونکہ دین کی تکمیل ہو چکی اور نعمتیں پوری کر دی گئی ہیں۔ ہمارے اوپر اللہ کا خصوصی انعام ہے کہ ہم اللہ کے محبوبﷺ کے امتی ہیں۔

مسلمان ایک ایسی مبارک ہستی کے امتی ہیں جن کو اللہ تعالٰی نے معراج میں اپنے قرب سے نوازا اور راز و نیاز کی باتیں کیں۔ مسلمان آج ان کی امت ہونے کے دعویدار تو ہوتے ہیں لیکن قرآن پاک موجود ہوتے ہوئے بھی اس پر غور و فکر اور عمل نہیں کرتے۔

رسول اللہ ﷺ کا یوم میلاد ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی پر غور فکر کر کے اس پر عمل کریں۔

*لیکن جب مسلمان آپ ﷺ کی زندگی پر غور و فکر ہی نہیں کرتے تو عمل کیسے کریں گے؟

اس دنیا میں جتنے بھی انبیا کرام تشریف لائے اور جتنی بھی الہامی کتابیں نازل ہوئیں اور قرآن پاک میں جتنے بھی انبیاء کرام کے قصص موجود ہیں ان سب میں ایک بات تسلسل سے ملے گی کہ تمام انبیاء کرام کی طرز فکر ایک ہے اور

وہ طرز فکر یہ ہے کہ

*اس کائنات کا خالق اللہ ہے جو کائنات کو مسلسل Feed کر رہا ہے۔ تمام انبیاء کی تعلیمات وحدانیت کا درس دیتی ہیں تاکہ تمام لوگ صرف ایک اللہ کے سامنے جھکیں۔ ایک اللہ کی عبادت کریں۔ ایک اللہ کے اوپر بھروسہ کریں اور اللہ کے محبوب ﷺ سے محبت کریں ان کے نقش قدم پر چلیں۔

*جب مسلمان انبیاء کرام اور رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کر کے غور و فکر کریں گے تو رسول اللہ ﷺ کی طرز فکر منتقل ہو جائے گی۔

اگر ہمیں رسول اللہ ﷺ کی طرز فکر منتقل ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ کی امتی ہونے کی حیثیت سے ہم اللہ کا تعارف حاصل کر لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرز فکر قرآن پاک میں یہ بتائی گئی ہے کہ

*بندہ اللہ کو دیکھ سکتا ہے

اللہ سے قریب ہو سکتا ہے

اللہ کا دوست بن کر غم اور خوف سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ہر چیز اور ہر بات کو منجانب اللہ یا اللہ کی نسبت سے جانتے ہیں۔ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ میں یہ بات شامل ہے کہ آپ ﷺ ہر بات کا رخ ارادی و غیر ارادی طور پر اللہ کی طرف موڑ دیتے تھے اگر ہمیں رسول اللہ ﷺ کی یہ طرز فکر حاصل ہو جائے کہ ہم ہر بات کا رخ اللہ تعالٰی کی طرف موڑ دیں تو مسلمان کو اللہ کی دوستی کا شرف مل جائے گا اور جب اللہ سے دوستی ہو جائے گی تو توہمات، تفکرات، پریشانیوں اور وسوسوں سے نجات مل جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی طرز فکر یہ ہے

کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے

سب کچھ وقت معینہ کے بعد اللہ کی طرف لوٹ جائیگا۔

نسخہ کیمیا

نوع انسانی کو دیگر مخلوقات سے افضل اور مشرف کرنے کیلئے اللہ تعالی نے اس دنیا میں اپنے برگزیدہ بندے بھیجے۔ان برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء کرام نے انسان کو اچھائی و برائی کا تصور عطا کیا۔اس تصور کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس بات کی تلقین بھی فرمائی کہ انسان کا بحیثیت مخلوق اللہ تعالی سے ایک خاص تعلق ہے اور یہ خصوصی تعلق اس طرح قائم ہو سکتا ہے جب انسان دیگر مخلوقات کے مقابلے میں اپنے لئے ایک الگ اور ممتاز حیثیت کا ادراک پیدا کرلے۔اللہ تعالی کی معرفت قربت اور راز و نیاز کا جو وصف انسان کو ملا ہے وہ کسی اور کو نہیں ملا چونکہ اللہ تعالی کی معرفت کا یہ شرف انسان کے علاوہ کسی کو منتقل نہیں ہوا اس لئے انسان اور دیگر مخلوقات کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرنے کے لئے انسان کو اچھائی اور برائی کا تصور منتقل کیا گیا ہے جبکہ زمین پر جتنی بھی دیگر مخلوقات ہیں ان میں اچھائی یا برائی کا تصور موجود نہیں جیسے اللہ تعالی نے بکری یا گائے کے اندر اچھائی یا برائی کا تصور قائم نہیں کیا اس لئے وہ نکاح سے مبرا ہیں۔اسی طرح بھوک و پیاس کی تکمیل کیلئے ان پر کوئی معاشرتی قانون نافذ نہیں ہوتا۔

انسان دیگر مخلوقات سے ماوراء ہے۔اس ماوراء انسان نے اپنی زندگی گزارنے، معاشرت قائم کرنے اور تمدن کو ممتاز و روشن رکھنے کیلئے کچھ اصول اور ضابطے بنائے ہیں۔ان مذہبی، اخلاقی، معاشرتی قوانین کے تحت زندگی گزارنے سے انسان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔اس فضیلت کی بنیاد اچھائی یا برائی کا تصور ہے۔ان قوانین اور اعمال میں انسان کا ذہن اپنی اضافی عقل استعمال کرتا ہے جو اسی کا وصف ہے۔

اللہ تعالی کے پیغمبروں نے اپنی تعلیمات کے ذریعے انسان کو اس کی اضافی عقل اور وصف کی بنیاد پر حیوانات سے الگ کیا۔انبیاء کی تعلیمات کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی معاشرت اس طرح قائم کرے کہ آپس میں محبت، اخوت اور بھائی چارہ و برادری سسٹم قائم ہو۔لوگ ایک گھرانے کی طرح زندگی بسر کریں۔کسی کی حق تلفی نہ ہو اور ہر ایک اپنے حقوق حاصل کرے۔اس طرح وہ خود بھی خوش و خرم زندگی گزارے اور اس کے دیگر بھائی بھی خوش و خرم رہیں۔جو اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائی کیلئے بھی پسند کرے۔ انبیاء نے نوع انسانی کو اچھائی اور برائی کے تصور کی آگاہی کے ساتھ ساتھ اس بات کی ترغیب بھی دی کہ برائی ایک ایسا عمل ہے جو انسانی برادری میں غصہ، تعصب، نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالی کیلئے ناپسندیدہ ہے۔اس کے برعکس اچھائی ایک ایسا عمل ہے جس سے نوع انسانی میں برادری سسٹم قائم ہوتا ہے۔انسان خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالی بھی اس عمل سے خوش ہوتا ہے۔

برائی کا مطلب تخریب ہے۔ تخریب یا ٹوٹ پھوٹ کے عمل پر غور و فکر کیا جائے تو جتنی زیادہ ٹوٹ پھوٹ ہو گی اسی مناسبت سے خاندان، کنبے، محلے، شہر اور اقوام پریشانی اور ادبار میں مبتلا رہیں گی اور جتنی زیادہ اچھائی یا تعمیر ہو گی اسی حساب سے چھوٹی سی قوم سے لے کر پوری نوع انسانی خوش رہے گی۔

انبیاء نے انسان کو اچھائی یا برائی کا تصور دیا اس کا منشاء یہ ہے کہ نوع انسانی تخریب کو رد کر کے اس سے اپنا رشتہ توڑ لے اور تعمیر سے اپنا رشتہ جوڑ لے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو لاکھوں سال سے چل رہا ہے اور اس تعمیر و تخریب کو سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے کم و بیش سوا لاکھ پیغمبر اس دنیا میں بھیجے۔

انبیاء کرام تشریف لاتے اللہ کا پیغام پہنچاتے لیکن ان کے پردہ فرماتے ہی نوع انسانی انبیاء کی تعلیمات سے دور ہو کر گمراہی میں مبتلا ہو جاتی۔ انبیاء کرام کی تعلیمات میں ذاتی مفاد اور منفعت کے مطابق تحریف کر دی جاتی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مخصوص گروہوں نے اپنی ذاتی منفعت کے لئے انبیاء کی تعلیمات کے تعمیری پہلو میں تخریب شامل کر دی۔ جیسے جیسے تخریب بڑھتی گئی اس مناسبت سے نوع انسانی میں تفرقے فروغ پاتے چلے گئے اور نوع انسانی گروہوں میں بٹ گئی حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ تمام اقوام پر ایسے گروہوں کی حکمرانی قائم ہو گئی جنہوں نے نفرت، حقارت اور ظلم کے سوا کچھ نہیں دیا۔ انسان انسانیت کے مقام سے گر کر درندگی پر اتر آیا۔

اس نے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا شروع کر دیا۔۔۔۔۔اور بے حیائی کے اس مقام تک گر گیا جہاں حیا کا تصور بھی نہ رہا۔

زمین نے اپنے اوپر اس فساد کیلئے اللہ تعالیٰ سے التجا کی اور اللہ تعالیٰ کے حضّور عاجزی اور انکساری سے درخواست کی کہ یا اللہ جس آدمی کو تو نے میرے اندر سے پیدا کر کے میرے اوپر آباد کیا ہے اس نے تخریب اور بے شرمی کے وہ کام کرنے شروع کر دیئے ہیں جس سے مجھے شرم اور ندامت ہوتی ہے۔ اے اللہ! ہدایت فرما۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کی یہ فریاد سن کر اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیج دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات گزشتہ تمام انبیاء کی تعلیمات کا تسلسل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تخریب انسانی عمل نہیں ہے۔ تخریب ایک غیر فطری، غیر انسانی اور شیطانی عمل ہے۔ تخریب کو چھوڑ کر تعمیری پہلو اختیار کرو۔ تعمیری پہلو یہ ہے کہ انسان کے اندر نفرت و حقارت نہ ہو بلکہ آپس میں بھائی چارہ اور محبت ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی پہچان یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے چاہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اصل چیز وہ اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

اگر اس ساری کائنات اور زمین کے اوپر آباد تمام انواع و مخلوقات پر غور و فکر کیا جائے تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ کائنات اللہ کا کنبہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ اس کنبہ کا سربراہ ہے۔ ہر سربراہ یا باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد پیار و محبت اور خلوص سے مل جل کر رہے ایک دوسرے کے کام آئے اور ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کرے۔

دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کا پیدا کردہ ہے۔انسان اور انسان کی زندگی کی ضروریات کے لئے تمام وسائل اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سورج، چاند، زمین، پانی سب اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنے رحیم و کریم ہیں کہ اس نے مخلوقات کیلئے تمام وسائل مفت فراہم کرر کھے ہیں تاکہ ان کی حیات قائم ودائم رہے۔ایسے رحیم اور کریم اللہ سے دوری سوائے بدنصیبی اور بدبختی کے کچھ نہیں ہے۔

کائناتی نظام اور تفکر

اللہ کی صفات پر غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ زمین، بیج، پانی، دھوپ یا چاندنی نہ ہو تو ہماری غذائی ضروریات کی تکمیل نہ ہو۔ وہ کون سی ہستی ہے جو مخلوق کیلئے زمین سے اناج اور پھل پیدا کرتی ہے اور اس نے زمین کے اندر تخلیقات اور نشو و نما کی ایسی صلاحیتیں منتقل کر دی ہیں کہ اگر ایک قطعہ زمین میں چار مختلف درخت لگائے جائیں تو ایک ہی قطعہ زمین سے مختلف رنگ، شکل اور خواص کے پھل ملیں گے۔ جیسے امرود، انار، انگور اور کھجور۔ ایک کیاری میں پانچ قسم کے پھول لگائیں تو ہر پھول کا رنگ اور خوشبو الگ الگ ہوتی ہے۔ ربوبیت کا وصف یہ ہے کہ آم کی ایک گھٹلی زمین میں بوئی جاتی ہے تو آم کی ایک گھٹلی کے عوض پچیس تیس سال تک ہر سال ہزاروں آم مفت فراہم ہوتے ہیں۔

آسمان کی طرف نگاہ کریں تو نگاہ حیران ہو جاتی ہے کہ آسمان ایک چمکتی دمکتی اور روشن دنیا کا نام ہے جہاں چاند، سورج، ستارے اور کہکشانی نظام نظر آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں جو ہمیں نظر آتی ہیں، مخلوقات کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں۔ سمندر کی گہرائی میں تہہ تک نظر ڈالیں تو وہاں مچھلیاں، سمندری مخلوقات اور دیگر غذائیں موجود ہیں جو انسان کی خوراک بنتی ہیں اور کوئی فرد اس خوراک کا ایک پیسہ بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں دیتا۔ مچھیرے مچھلیاں پکڑ کر بازار میں فروخت کرتے ہیں تو یہ انسانوں کا آپس میں لین دین ہے۔

6 ارب کی آبادی میں ایک فرد بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے خوراک کیلئے ایک پیسہ اللہ کو دیا ہو۔

انسان ماں کے پیٹ میں پہلا قدم رکھتا ہے اور نو ماہ تک اسے غذا فراہم کی جاتی ہے۔ اس غذا کا ایک پیسہ بھی اللہ تعالیٰ کو ادا نہیں کیا جاتا۔ پھر جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ماں کے دودھ کے ذریعے اس بچہ کی پرورش کرتے ہیں اس دودھ پینے کی کوئی اجرت اللہ تعالیٰ کو ادا نہیں کی جاتی۔ انسان کیلئے اس دنیا میں وسائل پہلے سے مہیا کر دیئے جاتے ہیں ایسا نہیں ہوتا کہ پیدائش کے بعد انسان خود اپنے لئے وسائل تخلیق کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت عدل و توازن اور اکرام کے ساتھ انسان کے لئے وسائل پیدا کر دیتی ہے۔

بارش اللہ تعالیٰ برساتا ہے۔ زمین کو نشو و نما کے لئے قوت اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ ایک چھوٹے سے بیج کو ایک بہت بڑا درخت بنا کر زمین کے اوپر پھیلنے کی قوت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ انسانی زندگی کے کسی بھی رخ پر غور و فکر کیا جائے تو ایک ہی بات نظر آئے گی کہ اللہ

تعالیٰ کی صفت ربوبیت نے انسان کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہوش و حواس، سماعت و بصارت اور احساس و ادراک عطا کیا ہے۔

جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے انسان زندہ رہتا ہے، دیکھتا، سنتا، کھاتا اور پیتا ہے، شادی کرتا ہے، بچوں کی دیکھ بھال کر کے ان کی شادیاں کرتا ہے۔ زمین پر کاشت کرتا ہے اور گھر بناتا ہے اور پھر جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ زمین پر یہ سب چیزیں عارضی ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے

*انسان کو زمین کے اوپر ایک معینہ مدت تک رہنے کیلئے بھیجا ہے

مقررہ مدت کے بعد زمین انسان کو قبول نہیں کرتی بلکہ زمین اسے اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے اور مادی جسم فنا ہو جاتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے پیدا ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے وسائل اپنا حق سمجھ کر مفت استعمال کئے اس انسان نے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ کو کیا دیا؟ اللہ تعالیٰ کیلئے کیا ایثار کیا ہے؟

آدمی صبح سے شام تک محنت مزدوری کرتا ہے۔ ایک ماہ خون پسینہ ایک کر کے محنت و مشقت کے بدلے جو مزدوری اسے ملتی ہے تو وہ مالک کا شکر گزار ہوتا ہے اور اس کی خوشامد میں لگا رہتا ہے لیکن اس اللہ کے لئے شکریہ کے دو بول نہیں ادا نہیں کرتا۔ جس اللہ نے زمین، ہوا اور پانی مفت فراہم کئے ہیں۔

o وہ اللہ جو گائے کے جسم میں خون و غلاظت سے دودھ علیحدہ کر کے ہمیں پلاتا ہے۔

o وہ اللہ جو شکم مادر میں ماں کے خون کو انسان کی شریان اور رگوں میں دوڑا دیتا ہے۔

o وہ اللہ جو ماں کے خون کو دودھ میں تبدیل کر کے انسان کی غذا بناتا ہے، جو سورج سے زمین کو روشنی اور حرارت بخشتا ہے اور درخت و پھل اگاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور اور ہوش و حواس عطا کئے ہیں۔ انسان کو آنکھیں، کان اور زبان عطا کی ہے۔ جس سے انسان دیکھتا ہے، سنتا ہے اور بول سکتا ہے۔ دل عطا کیا ہے تاکہ وہ محسوس کر سکے۔ آدمی دنیاوی کاروبار میں تو مالک کی خوشامد کرتا ہے جہاں سے اسے محنت و مزدوری کے بعد معاوضہ ملتا ہے لیکن جس اللہ نے انسان کو ترتیب و تسلسل کے ساتھ تمام وسائل مفت عطا کئے ہیں اس کا زبانی کلامی شکریہ بھی ادا نہیں کرتا۔

ایک انسان جس طرح پریشان، غمزدہ اور عدم تحفظ کا شکار ہے، جانور تو اس طرح عدم تحفظ کا شکار نہیں۔ ایک انسان جس طرح دوسرے انسانوں کو قتل کر رہا ہے، جانور اپنی نوع کے افراد کو اس طرح قتل نہیں کرتے۔

خود غرضی۔۔۔۔۔۔

دولت پرستی۔۔۔۔۔۔

محلات کی تعمیر۔۔۔۔۔۔

آرام و آسائش کے سامان۔۔۔۔۔۔

نوع انسانی کا قتل۔۔۔۔۔۔

o کیا یہ انسان کا شرف ہے؟

بھول کر بھی اللہ کی طرف ذہنی اور قلبی توجہ نہ کرنا۔۔۔۔۔۔

o کیا یہ انسان کا شرف ہے؟

انسان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اس کا ذہن دولت کے انبار جمع کرنے کے علاوہ کچھ نہیں سوچتا۔ دنیا کی محبت نے اس کے دل کو اس طرح جکڑ لیا ہے کہ دل سے کبھی اللہ تعالیٰ کی آواز نکلتی ہی نہیں۔

آج انسان کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، چلنا، پھرنا۔۔۔۔۔۔

عیاری،

مکاری

اور

خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو یاد کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو مفت فراہم کی ہیں اور جن کی بنیاد پر انسان زندہ ہے اور آرام و آسائش سے زندگی بسر کر رہا ہے تو انسان کا ذہن ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا اور وہ اللہ کا شکر گزار بندہ بن جائیگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

o کیا تم غور نہیں کرتے کہ جس لکڑی سے تم آگ سلگاتے ہو

اور محلات قائم کرتے ہو

وہ لکڑی تم نے بنائی ہے یا اللہ نے بنائی ہے؟

اگر آسمان سے بارش نہ برسے تو ساری دنیا ویران ہو جائیگی۔

اب آسمان سے بارش تم برساتے ہو یا اللہ تعالیٰ برساتا ہے؟

کیا تم غور نہیں کرتے؟

کہ اگر سمندر میں لہریں نہ ابھریں

اور ان لہروں کے ٹکرانے سے بخارات اوپر نہ اٹھیں

اور ہوا ان بخارات کو اپنے دوش پر لے جا کر بادل نہ بنائے

اور بادلوں کے قافلے شمال رخ اختیار نہ کریں

جہاں آکسیجن کی کمی سے وہ آبی بخارات برف نہ بن سکیں

اور پھر اگر سورج کی شعاعیں ان کو پانی میں تبدیل نہ کریں

تو کیا زمین سیراب ہو سکتی ہے؟

اور کیا زمین پر ندی، نالے، نہریں اور دریا بہہ سکتے ہیں؟

اگر اللہ تعالیٰ زمین کو پتھر یا پہاڑ کی طرح بنا کر اس کے اندر سے نشوونما کی صلاحیت ختم کر دے تو کیا انسان کے پاس کوئی ایسا طریقہ یا سائنس موجود ہے جس کے ذریعے وہ زمین سے اپنے لئے غذا حاصل کر سکے؟

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے یا بندے کرتے ہیں؟

ظاہر ہے انسان کو اس پر کچھ دسترس نہیں

اور یہ سب اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تمام نعمتیں اور وسائل اپنی مخلوقات کے لئے مہیا کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ انسان ان نعمتوں کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بنے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیگر مخلوقات سے مشرف و ممتاز بنایا ہے۔

o انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ

بارش کون برساتا ہے؟

زمین کے پیٹ سے اجناس کون پیدا کرتا ہے؟

دریا سے مچھلیاں کون عطا کرتا ہے؟

o ہمیں اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ

ہم زمین پر پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھے؟

اور وہاں سے زمین پر کیوں آئے؟

اور پھر زمین سے کہاں اور کیوں چلے جاتے ہیں؟

انسان کو اللہ تعالیٰ کے کائناتی نظام پر غور و فکر کرنا چاہئے۔ اگر وہ تفکر یا غور و فکر نہیں کرے گا تو انسان کی حیثیت جانور سے زیادہ نہ ہوگی اور وہ بھیڑ بکری جیسی مخلوق بن کر رہ جائے گا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل اور صلاحیت سے اپنے نظام حیات پر غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو پہچان لیتا ہے تو وہ دیگر مخلوقات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر مخلوقات میں غور و فکر کی صلاحیت نہیں رکھی یہ صرف انسان کو عطا کی ہے اور غور و فکر کی صلاحیت ہی دراصل انسان کی اصل ہے۔

لیکن یہاں صورتحال یہ ہے کہ تمام عالم اسلام غور و فکر یا تفکر سے محروم ہے اور اس محرومی کی بنیاد پر امت مسلمہ کو جس کی تعداد ایک ارب ہے غیر مسلموں نے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ افغانستان، ایران، عراق، بوسنیا، چیچنیا، فلسطین، کشمیر ہر طرف مسلمانوں کی ہلاکت کی خبریں ہیں اور تو اور مسلمان خود ہی مسلمان کو قتل کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ انہیں کسی مسلمان کی شہادت سے اتنا بھی درد محسوس نہیں ہوتا جتنا کسی کو ایک مچھر کے کاٹنے سے ہوتا ہے۔ ہر شخص بے حس ہو گیا ہے۔ پڑوس کی ہمیں کوئی خبر یا فکر نہیں ہوتی۔

اس بے حسی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سلیم کو استعمال کرنا چھوڑ دیا ہے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر گزار بندہ نہیں رہا اور اس نے مادیت کو سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان مادیت سے اس طرح وابستہ ہو گیا ہے

کہ پیدا کرنے والی ہستی سے اس کا تعلق کمزور سے کمزور تر ہو گیا ہے۔مادیت نے اس طرح غلبہ حاصل کر لیا ہے کہ وہ تخلیق کو تو سب کچھ سمجھتا ہے لیکن تخلیق کرنے والے خالق سے اس کا رشتہ باقی نہیں رہا۔

مسلمان اور ان کے اسلاف میں بنیادی فرق یہی ہے کہ جب تک ہمارے اسلاف میں غور و فکر رہا وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کے شکر گزار رہے اور اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ وسائل اس حقیقت پسندانہ فکر کے ساتھ استعمال کرتے رہے کہ یہ ہماری ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں تو وہ دنیا پر حکمران رہے لیکن اب مسلمان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں سے تو بھرپور استفادہ کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جاتا۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور وہ دنیا کی ذلیل ترین قوم بن کر غیر مسلم اقوام کی محتاج بن گئی ہے۔انتہا یہ ہے کہ آج مسلمان پیسے اور اقتدار کے ساتھ ساتھ اس علم کے بھی محتاج ہیں جو ان کی میراث تھا۔

آج کی دنیا سائنسی دنیا کہلاتی ہے۔سائنس کا مطلب ڈھونڈنا، تلاش کرنا یا کھوج لگانا ہے۔اس علم کے ذریعے آدمی کسی چیز کی ماہیت تلاش کر کے اس سے استفادہ حاصل کرتا ہے اور تحقیق و دریافت کے ذریعے کسی چیز کی ماہیت قلب کو تبدیل کر کے ایک چیز سے ہزاروں چیزیں بنا دیتا ہے۔یہ سائنس و ٹیکنالوجی کے کمالات ہیں۔جو قوم سائنس کے ان اصولوں پر عمل پیرا ہو جاتی ہے وہ تحقیق و ایجادات کے ذریعے عروج پر پہنچ جاتی ہے اور ترقی یافتہ اقوام میں شمار ہوتی ہے اور جس قوم سے تحقیق و ایجادات نکل جاتی ہیں وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شکر کرو کہ شکر کرنے والے بہت کم ہیں۔آپ محض ایک بات پر ہی عمل شروع کریں کہ جب بھی کوئی چیز، نعمت یا وسائل استعمال کریں تو کہیں

یا اللہ تیرا شکر ہے۔

کپڑا پہنیں تو شکر ادا کریں۔سونا مرنے کے برابر اور جاگنا دوبارہ زندہ ہونے کے برابر ہے، صبح بیدار ہو کر شکر ادا کریں۔درخت، پھول اور سبزہ دیکھیں تو کہیں

یا اللہ تیرا شکر ہے۔

شکر کی عملی پریکٹس مشکل کام نہیں، ٹھنڈے پانی کا گھونٹ پینے سے مسرت ہو، ٹھنڈک کا احساس ہو، پیاس بجھے تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

یا اللہ تیرا شکر ہے۔

تو نے مجھے ٹھنڈا اور میٹھا پانی پلایا۔روکھی سوکھی کھائیں یا مرغن کھانا کھائیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

یااللہ تیرا شکر ہے۔

اللہ تعالیٰ روٹی نہیں کھاتے، پیٹ تو ہمارا ہی بھرتا ہے۔

شکر کرنے سے اللہ خوش ہو جاتا ہے۔ کوئی دوست ملے تو ہنس کر بات کریں۔ بڑوں کا احترام کریں، بچوں سے شفقت سے پیش آئیں اور یہ سب نعمتیں ملنے پر اللہ کا شکر ادا کریں۔

حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

o شکر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کو خوش ہو کر استعمال کیا جائے !

قرآن پاک میں ارشاد ہے

o ہم نے لقمانؑ کو حکمت عطا کی تا کہ وہ شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے لقمان کو حکمت دی تا کہ :

* وہ اس حکمت سے لوگوں کا علاج کریں

* انسانوں کو فائدہ پہنچائیں

* اور اس عطا کردہ نعمت کا استعمال کریں۔۔۔۔۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکمت اس لئے دی ہے میں اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں یہ اس نعمت کا شکر ادا کرنا ہے۔ شکر سے مراد ہے کہ جو شئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے آپ اسے خوش ہو کر استعمال کریں اور ذہن میں یہ بات نقش ہو کہ یہ نعمت مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اس کا فائدہ انہی کو پہنچتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو استعمال نہیں کرتے وہ محروم رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ان دونوں سے ہی بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اس قدر نعمتیں فراہم کیں ہیں کہ انسان کسی نعمت کو استعمال کر کے شکر ادا کرے تو اس کے من کے اندر ایک ایسی شمع روشن ہو جاتی ہے جو یقیناً اسے رسول اللہ ﷺ کا گرویدہ بنا دیتی ہے۔ یقین کریں کہ اس عمل کی وجہ آپ کے اندر رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے نقوش روشن ہو جائیں گے۔

مسلمان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو تو استعمال کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے نہیں بنتے۔ اگر مسلمان انبیاء علیہم السلام کی طرز فکر کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کر کے اللہ کے شکر گزار بندے بن جائیں اور اس امر کا یقین کر لیں کہ وہ جو کچھ استعمال کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو ان کی بد حالی ختم ہو جائے گی اور ان کا اپنے اوپر یہ ظلم بھی ختم ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کی نسبت سے ایک بنیادی بات یہ سوچنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی زمین پر تشریف آوری کا مقصد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کون سا مشن رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا ہے؟

انسان اور امت مسلمہ پر بالخصوص یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ غور و فکر کر کے اس قادر المطلق ہستی اللہ کا کھوج لگائے جس نے ہمیں یہ تمام نعمتیں مہیا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو کائناتی نظام حیات پر غور و فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا ذوق عطا فرمائے!

آمین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرز فکر

الحمدللہ رب العالمین

اللہ سے مراد بے شمار مخلوقات کو پیدا کرنے والا خالق اور رب سے مراد مخلوق کو پیدا کر کے اس کی زندگی کو قائم رکھنے کیلئے ضروریات کی کفالت کرنے والی ہستی ہے یعنی مخلوقات کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور مخلوق اپنی زندگی میں جو وسائل استعمال کرتی ہے ان کا انتظام کرنے والی ذات۔ وضاحت یہ ہوئی کہ رب وہ ذات ہے جو مخلوق کو پیدا کرتی ہے پھر اسے زندہ رکھتی ہے۔ بچپن اور جوانی سے بڑھاپے تک وسائل فراہم کرتی ہے۔ مخلوقات کی نسل قائم رکھتی ہے اور مخلوق کو ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہونے کیلئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان ضروریات اور وسائل کی تکمیل کرتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں!

رب العالم نہیں۔

ہماری دنیا ایک عالم ہے اس کو عالم ناسوت کہتے ہیں۔

عالمین کی ترتیب اس طرح ہے

o عالم ارواح

o عالم امر

o عالم مثال

o عالم ناسوت

عالم ناسوت یا عالم دنیا سے منتقل ہونے کے بعد

o عالم اعراف

o عالم نفخ صور

o عالم حشر نشر یا عالم حساب

o عالم جنت یا عالم دوزخ

o عالم ارواح

o ابد اور ابد الآباد

o اللہ تعالیٰ بے شمار عالمین کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری دنیا کی طرح بے شمار دنیائیں تخلیق کی ہیں۔

یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں

رب المسلمین نہیں!

اللہ تعالیٰ مسلمین، مشرکین، کافرین سب کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ذات اکبر اور قادر مطلق ہے جس نے صرف ایک دنیا نہیں بلکہ اربوں کھربوں دنیائیں تخلیق کیں اور ان کو زندہ رکھنے کیلئے وسائل فراہم کئے ہیں۔ حیات و ممات کا ایک سلسلہ جو اربوں سال سے قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔ ایک فرد اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو تقریباً چالیس افراد پیدا ہوتے ہیں۔ ایک گندم کا دانہ قبر میں دفن ہوتا ہے اور اس کی ذریت کے ستره سو دانے زمین پر موجود ہوتے ہیں۔

یہ خالق کائنات کی صفت ہے کہ وہ مخلوق کو پیدا کر کے اس کی کفالت کرتا ہے اور مخلوق کی کفالت اس وقت ممکن ہے جب مخلوق کی زندگی میں درکار ہر شئے موجود ہو۔ کھربوں مخلوقات کو زندہ رکھنے کیلئے وسائل فراہم کرنا اللہ کی عجیب صناعی ہے۔

تقریباً گیارہ ہزار مخلوقات ہیں

o جمادات:

پہاڑ، پتھر، معدنیات، لوہا، تانبہ، کوئلہ، تیل، سونا، چاندی وغیرہ

o نباتات:

درخت، پتے، پودے، پھول، پھل وغیرہ

o حیوانات:

آدمی، چرندے، پرندے، درندے

o سمندر:

رنگ برنگی چھوٹی بڑی مچھلیاں

سمندری مخلوقات

اور پودے

o فضاء:

گیسز، وائرس، بیکٹیریا۔۔۔۔۔

o آسمانوں:

جنات، فرشتے،

o فرشتوں میں:

ملائکہ ارضی،

ملائکہ سماوی

گروہ جبرائیل، گروہ میکائیل، گروہ اسرافیل، گروہ عزرائیل،

حاملان عرش سبھی شامل ہیں۔

ہم ان تمام انواع سے قطع نظر صرف ایک مخلوق انسان کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کا رب ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس طرح پیدا کیا اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی قائم رکھنے کیلئے کس طرح وسائل بنائے۔

اس دنیا میں جتنے بھی افراد موجود ہیں، خواتین، مرد، بچے، بوڑھے ان سب کی پیدائش اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان کے والدین نہ ہوں سو ہمارے والدین کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ہم نے خود نہیں بنایا اور اگر ماں یا باپ نہ ہوتے تو بچے پیدا نہیں ہوتے۔یعنی انسان کی پیدائش کے لئے پہلا وسیلہ اس کے والدین ہیں اور ان کی تخلیق میں نہ تو والدین کا کوئی ذاتی عمل دخل ہے اور نہ ہی اولاد کا کوئی عمل دخل ہے۔انسان کو یہ پتہ نہیں کہ اسے کہاں پیدا ہونا ہے، سیّد کے گھر،امیر کے گھر یا غریب کے گھر۔۔۔۔۔۔یہ بھی علم نہیں ہے کہ وہ کیوں پیدا ہوا ہے ؟ پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھا؟ چند روز اس دنیا میں دکھ سکھ دیکھ کر کہاں چلا جاتا ہے ؟ انسان جائیداد بناتا ہے، سونا چاندی جمع کرتا ہے، ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن کوئی چیز اس کی ملکیت نہیں ہے۔اس لئے کہ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایک چیز بھی اپنے ساتھ نہیں لے جاتا۔۔۔۔۔جب پیدا ہوتا ہے دوسرے لوگ کپڑے پہناتے ہیں اور جب مرتا ہے تو دوسرے لوگ کفن ڈالتے ہیں۔

زمین اللہ کی ملکیت ہے کوئی ایک بندہ کسی طرح بھی زمین پر اپنی ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔یہی وجہ ہے کہ زمین پر کچھ عرصہ قیام کے بعد جب کسی فرد کا زمین سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو وہ زمین کے اندر دفن کر دیا جاتا ہے اور مٹی انسانی جسم کے ایک ایک عضو کو کھا جاتی ہے۔

انسان زمین پر محلات تعمیر کرتا ہے۔یہ تعمیرات بھی اپنی عمر پوری کر کے زمین میں دفن ہو جاتی ہیں اور ان کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔ محلات کھنڈر ہو جاتے ہیں اور وقت کے ساتھ کھنڈر بھی ختم ہو جاتے ہیں۔زمین اللہ کی ملکیت ہے انسان اللہ کی ملکیت کو اپنا حق سمجھ کر استعمال کرتا ہے۔ملکیت کا یہ دعویٰ جھوٹ اور خود کو فریب دینا ہے۔کسی کی مِلک کو اپنی ملکیت بتانا ظلم اور ناانصافی ہے۔

کسی کے مکان پر قبضہ کر لیا جائے یا دوسرے کی ملکیت زمین پر اپنا تسلط قائم کیا جائے یہ عمل ظلم ہے اور ظلم اچھا عمل نہیں ہے۔یہی صورتحال زمین کی ہے۔زمین کا واحد مالک اللہ ہے اور اللہ نے یہ زمین اپنی مخلوق کو استعمال کے لئے مفت فراہم کی ہے۔

انسان ایسی کرایہ دار مخلوق ہے جو کرایہ بھی نہیں دیتی۔۔۔۔۔اس زمین کے اندر جو معدنیات ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہیں۔انسان معدنیات سے خوب خوب فائدہ اٹھاتا ہے اور وسائل بنانے والے کا زبانی کلامی بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ ۹ ماہ تک ماں کے پیٹ میں بچے کی پرورش کرتے ہیں۔نشوونما اور خورد و نوش کیلئے جتنی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ میں بچے کو فراہم کرتے ہیں۔جس صفت رحیمی سے اس خورد و نوش کا انتظام ہوا روحانیت میں اس صفت کو رب کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا علم بیان فرماتے ہیں۔

Oوہ کیسی پاک ذات ہے

جو ماں کے پیٹ میں تصویر کشی کر کے خوبصورت شکل و صورت بناتی ہے

اور اس دنیا میں لے آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ میں بچے کو وہ تمام غذائیں فراہم کرتے ہیں جنہیں استعمال کر کے بچے کے اندر توانائی پیدا ہوئی اس کی شکل و صورت بنی اور پھر ایک جیتی جاگتی تصویر اس دنیا میں آ گئی۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کے سینے میں دودھ غذا کی صورت میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ بچہ ذرا بڑا ہوتا ہے تو اس کے لئے گندم پہلے سے موجود ہے، روٹی کے ساتھ گوشت موجود ہے تا کہ وہ کھا سکے۔ تعلیمی سلسلہ شروع ہوتا ہے تو سکول اور اساتذہ پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ یعنی پیدائش سے لے کر مرتے دم تک انسان جو کچھ بھی استعمال کرتا ہے وہ پہلے سے موجود ہوتا ہے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان نے پیدا ہونیکے بعد اپنے لئے خود پیدا کی ہو۔ اگر انسان نے کوئی چیز بنائی بھی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ وسائل سے بنائی ہے۔

انسان کو زندگی اور وسائل اللہ تعالیٰ نے عطا کئے ہیں لیکن ہر آدمی یہ کہتا ہے کہ میں روٹی کھاتا ہوں۔ میں کپڑے پہنتا ہوں۔ میں تعلیم حاصل کرتا ہوں۔ یہ میری جائیداد ہے۔ یہ میری بیوی ہے۔ یہ میرا شوہر ہے۔ یہ میرے بچے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کی بیوی کو پیدا ہی نہ کرتا تو وہ آپ کی بیوی کیسے بنتی؟ اسی طرح بیوی کہتی ہے یہ میرا شوہر ہے اگر اللہ تعالیٰ شوہر کو پیدا ہی نہ کرتا تو شوہر کیسے بنتا؟

آدمی روٹی کھاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ گیہوں پیدا نہ کرتا، گندم پیسنے کیلئے چکی نہ ہوتی، آٹا گوندھنے کے لئے پانی نہ ہوتا۔ روٹی پکانے کیلئے توّا نہ ہوتا، آگ نہ ہوتی، معدہ نہ ہوتا! تو آدمی روٹی کیسے کھا سکتا تھا۔

غرض انسان کی زندگی اور نظام پر جتنا بھی غور و فکر کیا جائے یہی حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ یہاں کوئی چیز ذاتی حیثیت نہیں رکھتی، سورج، چاند، ستارے، زمین، پانی، زمین کے طبقات، بارش، ندی، چشمے، دریا کون سی ایسی چیز ہے جس پر آدمی کی دسترس ہو۔

سائنسی دریافت نے بلاشبہ بڑی ترقی کی ہے لیکن سائنس کی کوئی ایک دریافت ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ وسائل استعمال کئے بغیر ایجاد کی گئی ہو۔ سائنس کے ذریعے بجلی دریافت ہوئی لیکن اگر بجلی پیدا کرنے کیلئے پانی نہ ہو، ٹربائین و میگنیٹ نہ ہو، بجلی کے تار کیلئے دھات نہ ہو، قمقمے یا پنکھے کے لیے وسائل نہ ہوں تو بجلی زیر بحث نہیں آتی یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ وسائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی ضروریات مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے مہیا کر دی ہیں اور کسی سے ان کی قیمت طلب نہیں کرتا۔۔۔۔۔ یہی رب کی تعریف ہے۔

رب کا مطلب ہے

مخلوقات کی حیات کے لئے ضروری وسائل پیدا کر کے مخلوق کو فراہم کرنا۔

ہم۔۔۔۔۔آپ جو وسائل استعمال کرتے ہیں وہ میری اور آپ کی ملکیت نہیں ہیں۔

کیا بیوی یا شوہر ایک دوسرے کی ملکیت ہیں؟

اگر ایسا ہے تو وہ ایک دوسرے کو مرنے سے بچا کیوں نہیں لیتے؟

اگر اللہ تعالیٰ بیوی کو پیدا ہی نہ کرے یا شوہر پیدا نہ ہو یا اولاد پیدا نہ ہو تو شادی بیاہ اور نسل کشی کا سلسلہ ختم ہو جائے۔

ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی چیز کے مالک ہیں اور کوئی آپ کی اس ملکیت میں نہ تو تصرف کر سکے اور نہ وہ چیز آپ سے چھین سکے۔ غیر جانبدار ہو کر غور کیا جائے تو یہاں کوئی چیز ہماری ملکیت نہیں ہے۔ جسم آپ کی ملکیت نہیں، حیات آپ کی ملکیت نہیں۔۔۔۔۔

o یہ چوپائے کس کی ملکیت ہیں؟

خون اور غلاظت کے درمیان سے سفید شفاف دودھ کون علیحدہ کرتا ہے؟

یہ زمین جس پر آپ گھر بناتے ہیں کس کی ملکیت ہے؟

چاند، سورج، آسمان، پانی آپ کی ملکیت ہیں؟

سوال یہ ہے کہ کیا میں اور آپ خود اپنی ملکیت ہیں؟

اللہ نے ہی یہ سب چیزیں بن مانگے عطا کیں ہیں۔ ماں باپ مانگے بغیر آپ کو ملے۔ اولاد اللہ نے دی۔ جب اللہ چاہتا ہے لے لیتا ہے۔

سانس کی آمد ورفت کس کی ملکیت ہے۔ کیا آپ کا سانس پر کچھ اختیار ہے؟ ذرا تین یا پانچ منٹ تک سانس روک کر دکھایئے۔ جسم میں موجود اعضاء، دل، دماغ، گردے، پھیپھڑے کس نے بنائے اور ان کے افعال وکارکردگی پر کس کا اختیار ہے؟

o مسلمان کے اندر اگر یہ یقین مستحکم ہو جائے کہ اس دنیا، اس سے پہلے اور اس کے بعد کی زندگی بلکہ پوری کائنات میں کوئی ایک چیز بھی میری ملکیت نہیں بلکہ ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزیں استعمال کر رہے ہیں تو ہر مسلمان رسول اللہ ﷺ کا جیتا جاگتا کردار بن جائے گا۔

ہم قرآن پاک کی آیات پڑھتے ہیں لیکن غور نہیں کرتے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

o وہ لوگ جنہیں الٰہی علوم یا روحانی علوم حاصل ہو جاتے ہیں،

وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس بات کا مشاہدہ کر لیا ہے

کہ یہاں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے اور ہمیں عارضی طور پر استعمال کے لئے دی گئی ہے۔ اگر انسان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ معصوم جیتے جاگتے کھلونے ہمیں اس لئے عطا کئے ہیں کہ ہم ان سے دل بہلائیں اور ان کی تعلیم و تربیت کر کے انہیں ایک اچھا انسان بنائیں تو اولاد کی ساری پرورش اللہ کے لئے ہو جائے گی اور اس کا اجر ملے گا۔

بصورت دیگر اولاد اور مال کو اللہ نے فتنہ قرار دیا ہے۔

میں نے حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا!

اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں

کہ مال اور اولاد فتنہ ہیں پھر شادی اور اولاد کی کیا ضرورت ہے؟

مال و اسباب، کاروبار اور گھر بار بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

آپؒ نے فرمایا!

o اگر مال اور اولاد کے بارے میں آپ کا یقین بن جائے کہ یہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔۔۔۔۔تو یہ بہت بڑی نیکی ہے۔

جب ہم اولاد کو اپنی ملکیت تصور کرتے ہیں تو اولاد ہمارے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔ بیوی شوہر کو اپنی ملکیت تصور کرتی ہے اس لئے شوہر بیوی کیلئے فتنہ بن جاتا ہے۔ شوہر بیوی کو اپنی ملکیت تصور کرتا ہے تو بیوی اس کے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔ عالمین میں کوئی چیز آپ کی ملکیت نہیں ہے۔ اگر آپ کی کوئی ملکیت ہے تو وہ آپ سے چھن کیوں جاتی ہے؟

o کوئی بندہ مرنا نہیں چاہتا وہ مر کیوں جاتا ہے؟

امیر غریب کیوں ہو جاتا ہے، غریب امیر کیوں ہو جاتا ہے؟

بادشاہتیں ختم کیوں ہو جاتی ہیں؟

رب العالمین نے جو کچھ وسائل آپ کو مہیا کئے ہیں وہ عارضی طور پر استعمال کے لئے دیئے گئے ہیں۔یہی بات رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمائی ہے کہ

o یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے

o یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے

مسافر خانہ کا مطلب ہے جہاں عارضی طور پر قیام کیا جاتا ہے۔

فساد کی اصل جڑ 'ملکیت' ہے۔ہماری کوئی ملکیت نہیں۔۔۔۔۔لیکن ہم ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔

o میرا گھر،

o میرا مال،

o میری دولت

o میرا پیسہ،

o میرا اٹکہ،

یہ سب فساد ہے۔

بربادی کا سب سے بڑا سبب ملکیت کا تصور ہے۔یہ نہیں سمجھئے کہ ملکیت کا تصور ختم ہونے کے بعد آپ کے حقوق ختم ہو جاتے ہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔جب ایک باپ اپنے بچے کو سینے پر لٹاتا ہے تو وہ اپنے اندر بچے کی لہریں منتقل ہوتے ہوئے محسوس کرتا ہے اور ایک لطیف سا کرنٹ اسے مخمور کر دیتا ہے۔ملکیت کا تصور ہو تب بھی وہ اپنے اندر کرنٹ محسوس کرتا ہے اور اگر وہ اپنے بچے کو اپنے سینے پر اللہ کی ملکیت سمجھتے ہوئے لٹاتا ہے تب بھی ایک محبت بھرا کرنٹ محسوس کرتا ہے اور اس کا ایمان یہ ہو جاتا ہے کہ یہ اولاد اللہ نے مجھے خوش رہنے کیلئے عطا کی ہے۔خوشی تب بھی محسوس ہوتی ہے ایسا نہیں ہوتا کہ ماں باپ اللہ کی ملکیت کے تصور سے بچے کو پیار کریں گے تو سرور نہیں ملے گا بلکہ زیادہ لذت و خوشی محسوس ہو گی اس لئے کہ اس خیال میں اللہ شریک ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کو بڑھاپے میں اولاد عطا کی۔بڑھاپے میں ہونے والی اولاد سے باپ کی محبت کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔جب اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندر بیٹے کی محبت غالب آگئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے ذبح کر دو۔اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندر بیٹے کی ملکیت کا تصور ہوتا تو وہ ذبح نہ کرتے لیکن انہوں نے بیٹے کو ذبح کر دیا

اور اللہ تعالیٰ نے ان پر نوازش کی کہ بچے کی جگہ دنبہ قربان ہو گیا اور حضـــرتـــ ابراہیم خلیل اللہ نے یہ ثابت کر دیا کہ حضـــرتـــ اسماعیل علیہ السلام کو انہوں نے اپنی ملکیت نہیں سمجھا۔

جتنے بھی پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے انہوں نے یہی فرمایا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔

oاللہ تعالیٰ مالک الملک ہے

جس کو چاہے ملک دے۔ جس سے چاہے ملک لے لے

جس کو چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے

اس کا ہر کام خیر ہے

۔۔۔۔۔۔وہ قادر المطلق ہے

ہر شئے پر جس طرح چاہے تصرف کرے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں کہ حضّور پاک ﷺ نے کیسی کیسی تکالیف برداشت کیں۔ سارے رشتہ دار اور اہل مکہ مخالف ہو گئے، آپ ﷺ کا اور اہل خانہ کا بائیکاٹ کیا گیا۔ حضرت بی بی خدیجہؓ بیمار ہوئیں۔۔۔۔۔۔ تو دوا کے بغیر ان کا انتقال ہوا۔ ظالموں نے دوا لانے کی اجازت بھی نہیں دی۔ لیکن آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے کوئی شکایت نہیں کی۔

oاگر امت مسلمہ میں پیغمبران کرام اور رسول اللہ ﷺ کی یہ طرز فکر متحرک ہو جائے کہ دنیا میں کوئی چیز ہماری مِلک نہیں بلکہ ہمیں ہر چیز یہاں چھوڑ کر چلے جانا ہے تو وہ صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے گی۔

ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ساری ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے تو ہمیں کارخانے بنانے، فیکٹریاں چلانے اور کاروبار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کی مخلوق متحرک رہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ایک دوسرے کے کام آئے۔ اگر کارخانے نہیں بنیں گے تو لوگوں کو روزگار نہیں ملے گا۔ بہترین کوالٹی کا کپڑا فخر و مباہت کیلئے نہ پہنیں بلکہ اس لئے پہنیں کہ اگر ہم اچھا اور عمدہ کپڑا نہیں پہنیں گے تو فیکٹریاں بند ہو جائیں گی، مزدور بے روزگار ہو جائیں گے اور کتنے ہی خاندان بھوکے مر جائیں گے۔۔۔۔۔۔

جب آپ کا لباس فخر و مباہت کی بجائے اللہ تعالیٰ کیلئے ہو گا اور آپ یہ نیت کریں گے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو روزی ملے گی تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کیلئے ہو گیا۔ آپ گھر بنائیں بلکہ اچھا گھر بنائیں تو اس عمل میں سیمنٹ، لوہا، اینٹ، ریت اور بجری استعمال ہوتی ہے۔

راج، مزدور، ترکھان کام کرتے ہیں، لکڑی کا کام ہوتا ہے، ٹائلیں لگتی ہیں، بجلی کے کام سے مختلف شعبوں میں لاکھوں آدمی وابستہ ہیں، انہیں روزگار ملتا ہے اگر کاروبار حیات اس نیت سے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے تو یہ سب اللہ کے لئے ہے۔

میرے دوستو!

ساری بات طرز فکر کی ہے

اگر طرز فکر میں انبیاء کی طرز فکر شامل نہیں ہے

تو پھر ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

شادی آپ کو تسکین فراہم کرتی ہے انسان اگر یہ سوچ لے کہ یہ اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے جس سے دو بندے ایک دوسرے کے جسم و جان بن جاتے ہیں۔۔۔۔۔ یقین کریں اس طرز عمل سے ساری شادیاں کامیاب ہو جائیں گی اور سعادت منداولاد پیدا ہو گی۔ بیوی اگر یہ بات سوچ لے کہ میرا شوہر اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے جیسا بھی ہے کالا ہے، گورا ہے، خوبصورت ہے، کم صورت ہے تو گھر جنت نہ بن جائے۔ یہی بات شوہر بیوی کے لئے سوچ لے کہ بیوی کو اللہ نے بنا سنوار کر مجھے نعمت عطا کی ہے تو پورا معاشرہ پیار و محبت کے روپ میں ڈھل جائے اور ہر طرف سکون ہی سکون ہو جائیگا۔

یاد رکھیئے!

جہاں ملکیت کا تصور ہوتا ہے وہاں اقتدار زیر بحث آتا ہے۔ اقتدار میں ہمیشہ آدمی اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔ بیوی شوہر پر اقتدار جما کر اپنی بات منوانا چاہتی ہے، شوہر بیوی سے اپنی بات منوانا چاہتا ہے، بچے والدین سے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں اور والدین بچوں سے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں، اس طرح گھر اور پورے ماحول میں اقتدار کی جنگ چھڑ جاتی ہے اور معاشرہ ابتر ہو جاتا ہے۔

اگر اقتدار کی خواہش سے قطع نظر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا تصور اپنا لیا جائے تو ہر بات، ہر معاملہ اور ہر انسان سنور جائے گا۔ ہر انسان کے اندر انبیاء کرام کی طرز فکر منتقل ہو جائے گی۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اسے مخلوق کے فائدہ کیلئے استعمال کرنا چاہیئے۔

تقریر-۷

رحمت للعالمین ﷺ

قرآن پاک میں ارشاد ہے

o سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے

رب کی تشریح یہ ہے کہ ایسی ہستی جو عالمین کو زندہ رکھنے کیلئے وسائل پیدا کرتی ہے۔

o نہایت مہربان اور رحم کرنے والا

ان وسائل کی تقسیم ایثار، محبت اور رحمت کے ساتھ کی جاتی ہے

o یوم جزا کا مالک

ان وسائل کی تقسیم میں عدل وانصاف اور توازن برقرار رہتا ہے۔

ربوبیت پر غور کیا جائے تو وسائل کی پیدائش سامنے آتی ہے کیونکہ انسان اور زمین کے اوپر موجود تمام مخلوقات وسائل کی محتاج ہیں اگر مخلوق کے لئے وسائل مہیا نہ کئے جائیں تو مخلوق کی زندگی موت میں تبدیل ہو جائے۔

وسائل سے مراد زمین، پانی، آسمان، بارش، ہوا، دھوپ، پھل، اناج، فضا، مختلف گیسز، معدنیات، جمادات، نباتات ہیں۔ آکسیجن یا ہوا کے بغیر نہ تو زندگی کا تصور قائم ہوتا ہے اور نہ ہی زندگی قائم رہ سکتی ہے۔

بے شک سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے عالمین کے لئے وسائل پیدا کئے اور صفت رحمت کے ساتھ ان وسائل کو عدل و توازن کے ساتھ قائم رکھا ہوا ہے۔ نوع انسانی اور زمین پر آباد تمام مخلوقات ان وسائل سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ ان وسائل کے بغیر زندگی کا تصور قائم نہیں ہوتا۔

انسانی زندگی کی بقا اور تقاضوں کی تکمیل کیلئے جو وسائل ہمیں میسر ہیں ان وسائل کی ایک خاص تقسیم ہے۔ مثلاً ہم ہوا استعمال کرتے ہیں اگر ہوا میں توازن نہ رہے اور ہوا کے طوفان آجائیں تو ہماری زندگی تہس نہس ہو جائے گی۔ ہوا میں اگر آکسیجن کی مقدار کم و بیش ہو

جائے تو ہم زندہ نہیں رہیں گے۔ اسی طرح اگر پانی کی تقسیم میں توازن برقرار نہ رہے تو پانی کا طوفان آجائے گا، سیلاب میں انسان کی زندگی قائم نہیں رہتی بلکہ دنیا تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ پتہ چلا کہ وسائل کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں توازن ہو تاکہ زندگی تباہ و برباد نہ ہو اور وسائل مخلوق کے لئے راحت و عافیت کا سبب بنیں۔ مخلوق کو آرام و آسائش مہیا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان وسائل کو رحمت کے ساتھ تقسیم کیا جائے۔

ہر مخلوق وسائل کی محتاج ہے۔

صرف اللہ وسائل کی احتیاج سے ماوراء ہے۔

رب العالمین نے جب کائنات بنائی اور اس کائنات کیلئے وسائل پیدا کئے تو پھر رب کائنات نے یہ چاہا کہ وسائل تقسیم کرنے والی ہستی مخلوق میں سے منتخب کی جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں۔ نہ انہیں گھر کی ضرورت ہے، نہ ان کا کوئی باپ ہے، نہ ان کی کوئی ماں ہے، نہ ان کی کوئی اولاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے الحمدللہ رب العالمین کی صفت بیان فرمائی ہے جو عالمین کیلئے وسائل پیدا کرتا ہے۔ عالمین وسائل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے۔ وسائل کی احتیاج تغیر کی نشانی ہے۔ اگر وسائل کی احتیاج ختم ہو جائے تو تغیر بھی ختم ہو جائے اور کائنات ختم ہو جائے۔ وسائل کی تقسیم میں یہ بات بنیاد ہے کہ وسائل کی تقسیم وہ کرے جو وسائل کی احتیاج سے آشنائی رکھتا ہو اور جو وسائل کی ضرورت، حصول و استعمال کی صفات رکھتا ہو۔ وسائل کی تقسیم کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہستی پیدا فرمائی جس کے اندر وسائل کی حاجت رکھ دی اور جس کے اندر تقاضے پیدا کر دیئے کہ وہ وسائل کو استعمال بھی کرے۔

اللہ تعالیٰ نے وسائل تقسیم کرنے والی اس ہستی کیلئے فرمایا!

و ما ارسلنک الا رحمت للعالمین

اللہ نے اپنے نُور سے کائنات کے نقش و نگار بنائے، ضروریات اور احتیاج پیدا کیں اور وسائل پیدا فرمائے۔ ان وسائل کی تقسیم کیلئے آپ ﷺ کو رحمت للعالمین بنایا اور اپنے محبوب بندے کے اندر وسائل کی احتیاج رکھی کیونکہ اللہ تعالیٰ۔۔۔۔۔ خالق اکبر کسی قسم کی احتیاج نہیں رکھتے۔

o اللہ الصمد

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے ماوراء ہے۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہیں

اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہیں،

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو رحمت کے ساتھ بنایا۔ اس نے مخلوق کو پیار، محبت اور چاہت کے ساتھ تخلیق کیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کو عالمین کے لئے سراپا بنایا ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ وسائل تقسیم فرمائیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات میں رسول اللہ ﷺ کو اپنے اور مخلوق کے درمیان واسطہ بنایا۔

رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مسلمان خوش نصیب ہیں کہ مسلمانوں کو جو در ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑی ہستی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا در ہے۔

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں اس نسبت سے کوئی بندہ رب تو نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ رحمت للعالمین ہیں لہٰذا اس نسبت سے جب مسلمان رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آتا ہے اور کلمہ پڑھ کر اپنی نسبت رسول اللہ ﷺ سے قائم کر لیتا ہے تو مسلمان کو آپ ﷺ کی 'نسبت رحمت' منتقل ہو جاتی ہے۔ ہر مسلمان چونکہ رسول اللہ ﷺ سے ایک روحانی، قلبی اور ظاہری رشتہ رکھتا ہے اس لئے اس کے اندر یہ صفات منتقل ہو جاتی ہیں۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ عالمین کے لئے رحمت ہیں اسی طرح ہر مسلمان کو پوری نوع انسانی کیلئے رحمت کا ایک چلتا پھرتا کردار ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو کافر کیلئے بھی رحمت بنایا ہے تاکہ وہ کافروں کے ساتھ اخلاق حسنہ سے پیش آئے اور کافر مسلمان کے اخلاق حسنہ اور کردار دیکھ کر ایمان قبول کریں جبکہ صورتحال یہ ہے کہ آج مسلمان خود مسلمانوں کیلئے زحمت کا باعث بن گیا ہے۔

مقام فکر ہے کہ

کیا رب العالمین اور رحمت للعالمین نے تفرقہ کی اجازت دی ہے؟

عالمین سے کیا مراد ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رب العالمین اور

رسول اللہ ﷺ کے لئے رحمت للعالمین فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے رحمت المسلمین نہیں فرمایا

کیا حضّور پاک ﷺ کافروں کے لئے رحمت نہیں ہیں؟

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات یہ ہیں

کہ کافر کو کافر نہ کہو۔

رسول اللہ ﷺ نے کافر و غیر مسلم کے حقوق متعین فرمائے ہیں۔ یہ سوال کہ اگر رسول اللہ ﷺ رحمت للعالمین ہیں، رحمت المسلمین نہیں تو مسلمان اور غیر مسلم میں اور اسلام اور کفر میں کیا فرق ہوا؟ فرق یہ ہے کہ جب بندہ مسلمان ہو جاتا ہے تو اسے رحمت للعالمین کی صفت رحمت منتقل ہو جاتی ہے اور کافر کو یہ صفت منتقل نہیں ہوتی۔ مسلمان اگر اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے ہی رحمت نہیں ہے تو اسے سوائے محرومی اور بدنصیبی کے کیا ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے یہ بنیادی بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضّور پاک ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔

آپ ﷺ کے ماننے والوں کو حضّور کی نسبت "رحمت" منتقل ہو جاتی ہے۔

جب انسان کے اندر رحمت ہوتی ہے تو اس کے اندر اخلاق حسنہ پیدا ہو جاتے ہیں، غصہ ختم ہو جاتا ہے۔ نفرت سے پاک ہو جاتا ہے حسد، کینہ، بغض اور غرور و تکبر کی جگہ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں اور یہی آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ اس اسوہ حسنہ کی بنیاد اللہ کی قربت اور نسبت ہے۔

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اللہ کی معرفت سوچتے ہیں۔ ہر چیز سے پہلے ذہن میں اللہ تعالیٰ آتا ہے اور پھر شئے آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ

ہم رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کریں اور میرا خیال ہے کہ یہ ایسا مشکل کام نہیں ہے کہ جو ہم نہ کر سکیں۔ امت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نبی ﷺ کے طرز فکر کی حامل ہوتی ہے۔ ہم سب کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ

ہمارے اندر رحمت ہے یا غصہ ہے؟

محاسبہ کرنے کے بعد نظر آتا ہے کہ مسلمان میں غصہ، نفرت اور تکبر تو بہت آ گیا ہے لیکن رحمت کہیں نظر نہیں آتی اور مسلمانوں کے اندر پانچ فی صد بھی ایسی خوبیاں نہیں ملتی جنہیں رسول اللہ ﷺ کی نسبت دی جا سکے بلکہ سچی بات تو یہ ہے اور دل یہ کہہ رہا ہے کہ مسلمان ایک فی صد بھی اسوہء رسول ﷺ پر کاربند نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ غصہ کرنے والے افراد کے بارے میں فرماتے ہیں

o جو لوگ غصہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب آپؓ نے ایک یہودی پہلوان کو کشتی میں گرا کر قتل کرنا چاہا تو اس نے آپؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ حضرت علیؓ اسے قتل کرنے کی بجائے چھوڑ کر ایک طرف ہو گئے۔ یہودی نے کہا کہ اب تو آپ کو زیادہ غصہ آنا چاہئے تھا۔ آپ نے فرمایا! نہیں میں تجھ سے اپنے لئے نہیں لڑ رہا تھا بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کے لئے لڑ رہا تھا۔ جیسے ہی تو نے مجھ پر تھوکا مجھے غصہ آ گیا۔ اب میں تجھے ہلاک کرتا ہوں تو اس میں میری ذاتی غرض شامل ہو گی۔ لہٰذا میں نے تجھے چھوڑ دیا۔

غصہ، نفرت اور کبر سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی اسی سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی پر غصہ نہیں کیا۔ بلکہ سب کو معاف فرمایا ہے۔ اپنے خاندان کے جھگڑے، قرضے حتیٰ کہ قتل تک معاف فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو رحمت للعالمین فرمایا ہے۔ حضرت امیر معاویہ کی والدہ اور یزید کی دادی ہندہ نے حضور ﷺ کے چچا کا کلیجہ چبایا اور بے حرمتی کی لیکن جب وہ مسلمان ہو گئی تو آپ ﷺ نے اسے بھی معاف کر دیا۔

سیدنا حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ ﷺ کا عملی مظاہرہ ہمارے سامنے ہے۔ حضورؐ پاک ﷺ سراپا رحمت تھے۔ ہمیں بھی حضورؐ پاک ﷺ کی طرز فکر پر عمل کرتے ہوئے اپنے بھائیوں، بچوں اور خاندان کے لئے رحمت بن کر رہنا چاہئے۔ جب ہم رحمت بن کر جئیں گے تو ہماری تمام مشکلات، پریشانیاں اور بے سکونی کی کیفیات ختم ہو جائیں گی۔

تقریر-۸

عید میلاد ﷺ

تفرقہ یا وحدت؟

عید میلاد کے دن مرکزی مراقبہ ہال میں نماز فجر اور مراقبہ کے بعد یہ محسوس ہوا کہ انوارات اور روشنیوں کی پر مسرت لہریں روح کے اندر سرایت کر رہی ہیں اور ایک انجانی سی خوشی سے روح معمور ہے۔ جسم کا رواں رواں اس کیف اور سرور کو محسوس کر رہا تھا، وہاں موجود دیگر افراد نے بھی خوشی کی اس کیفیت کو محسوس کیا۔

تفکر کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع ذہن میں انسپائر ہوئی کہ اصل عید تو عید میلادالنبیﷺ ہے کیونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ تو حضور پاکﷺ کی اس دنیا میں ولادت باسعادت کے بعد شروع ہوئیں۔ ارض و سمٰوات، مخلوقات اور امت مسلمہ کیلئے رسول اللہﷺ کی ولادت اصل عید ہے اور عید الفطر و عید الاضحیٰ رسول اللہﷺ کی ولادت باسعادت اور حیات طیبہ کے تابع ہیں۔ عید میلاد، آپﷺ کی ولادت کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہونے کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کو نہ معلوم کب سے تخلیق کر کے چھپا رکھا تھا۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کو عالم ناسوت میں بھیجا یہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور مقام شکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے حضّور پاکﷺ کا ارشاد ہے

o اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نُور تخلیق کیا

اور اس نُور سے ساری کائنات بنائی۔

یہ تمام کائنات، اس کے اندر حرکت اور زندگی حضّور پاکﷺ کے نُور کے تابع ہے غور فرمائیں کہ کائنات میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں۔ عرش، کرسی، سمٰوات، ارض، فرشتے، انبیاء، یعنی اللہ تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ بھی ہے وہ رسول اللہﷺ کے نُور سے تخلیق ہوا تو

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سے بڑھ کر اور کون سی عید ہو سکتی ہے اور اس خوشی کو محسوس کرنا بڑی سعادت ہے اور ان افراد کے لئے خوش نصیبی کا اشارہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی امت میں شامل ہیں اور ان کے پیروکار ہیں۔

یہ دن ہر سال آتا ہے۔ چودہ سو سال سے لوگ اس روز جمع ہوتے ہیں۔ نعت خوانی ہوتی ہے، مقالہ جات پڑھے جاتے ہیں اور سیرت طیبہ کا تذکرہ ہوتا ہے لیکن اس سب اہتمام کے برعکس جب امت مسلمہ کی زندگی اور اعمال کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو بہت افسوس ہوتا ہے کہ چودہ سو سال سے رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کو دہرایا جارہا ہے اور آپ ﷺ کے اس مشن کا پرچار کیا جارہا ہے کہ

سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

لیکن اس کے باوجود عمل مفقود ہے۔

خطبہ الوداع میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی چھوٹا یا بڑا نہیں بلکہ بڑے یا چھوٹے ہونے کا معیار یہ ہے کہ مسلمان اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات پر کتنا عمل پیرا ہیں۔ جو بندہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات پر جتنا عمل کرتا ہے اسی مناسبت سے وہ متقی، پرہیزگار اور بزرگ ہے۔

امت مسلمہ کی بدنصیبی ہے کہ چودہ سو سال سے ہزارہا تقاریر سننے، لاکھوں کلمات کا مطالعہ کرنے اور کروڑہا بار رسول اللہ ﷺ پر درود شریف بھیجنے کے باوجود وہ تفرقہ کا شکار ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس حکم اور مشن کہ۔۔۔۔۔۔

"سب مسلمان بھائی بھائی ہیں"

کے باوجود آج مسلمانوں کی پہچان یہ بن گئی ہے کہ وہ فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جب تک فرقہ بندی اور آپس میں گروہ بندی کا تقابلی تذکرہ نہ کیا جائے مسلمان کی شناخت ہی نہیں ہوتی۔

چودہ سو سال میں رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کی اتنی خلاف ورزی ہوئی ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔ آج مسلمانوں کی پہچان ہی یہ رہ گئی ہے کہ وہ دیوبندی، بریلوی، مقلد، غیر مقلد اور نہ معلوم کیا کیا ہیں بس نہیں ہیں تو صرف ایک امت واحدہ نہیں ہیں۔

ہر سال محافل میلاد منعقد کرنا اور ان میں لوگوں کا ذوق و شوق سے شریک ہونا صرف نشستند، گفتند و برخاستند ہو کر رہ گیا ہے۔ صد افسوس کہ چودہ سو سال میں علماء و مشائخ کا کوئی ایسا گروہ پیدا نہ ہوا جس نے یہ کوشش کی ہو کہ

مسلمان صرف مسلمان ہیں اور کچھ نہیں!

اس کے برعکس قوم تفرقہ میں بٹ گئی اور اس گروہ بندی کی وجہ سے قوم کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ وحدت اور اخوت کی تعلیمات پردے میں چھپ گئی ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے جو انفرادی اور اجتماعی پروگرام مرتب فرمایا ہے اس میں اجتماعیت کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

o روزہ

o باجماعت نماز

o حج

اجتماعی اعمال ہیں۔

o ماحول اور معاشرہ کو صاف ستھرا رکھنا

o بے ایمانی سے بچنا

o اپنے بھائیوں کے حقوق غصب نہ کرنا

یہ سب اجتماعی اعمال ہیں۔

ایک اور ایک گیارہ اور گیارہ و گیارہ بائیس ہوتے ہیں۔ مسلمان تھوڑے سے ہی سہی لیکن اگر وہ آج یہ طے کر لیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مشن کے لئے زبانی جمع تفریق کی بجائے زندگی میں عملی قدم بھی اٹھائیں گے تو مسلمان اس دنیا کی سب سے بڑی قوت بن سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے مشن کیلئے بڑی بڑی تکالیت برداشت کیں اور پریشانیوں کا سامنا کیا۔ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپ ﷺ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ اپنا آبائی شہر مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کرنی پڑی۔ غزوات و لڑائیوں میں حصہ لیا اور پھر صلہ رحمی سے ان سب تکالیف اور عزیز و اقرباء کا خون بہا معاف بھی فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ ساری تکالیف اس لئے برداشت کیں کہ وہ امت کے لئے یہ مثال چھوڑ کر جا رہے تھے کہ مسلمان ایک ہیں اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط ہیں۔

مسلمان اللہ کو رب اور حضرت محمد ﷺ کو رسول اور قرآن پاک کو اللہ کی کتاب جان کر ان پر ایمان رکھتے ہیں پس جب

o اللہ بھی ایک ہے

o رسول اللہ ﷺ بھی ایک ہیں

o کتاب بھی ایک ہے

اور

o مسلمان بھی رسول اللہ ﷺ کی ایک ہی امت ہیں

تو یہ درمیان میں تفرقہ کہاں سے آگیا؟

اس فرقہ بندی کی بنیاد پر کسی فرد کی رسائی نہ تو اللہ تعالیٰ تک ہو سکتی ہے نہ کوئی رسول اللہ ﷺ کو خوش کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ کسی حال میں جنت کا مستحق بن سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد ہے کہ میری امت میں سے جو بندہ تعصب پر جیا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا اور اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہو گی۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

o اللہ کی رسی متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ پکڑو

اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے برعکس جو آدمی تعصب پر جیا اور جس نے مسلمان کو اپنا بھائی نہ سمجھا اور تفرقہ بازی اختیار کرتے ہوئے کبر و غرور کیا وہ خسارے میں ہے۔ تفرقہ بازی کے نتیجے میں آدمی دیدا و دانستہ کبر اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں ہر فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ صرف وہ سیدھے راستے پر ہے اور جنت میں جائے گا جبکہ حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون جنت میں جائے گا۔ جب کوئی فرقہ یہ کہتا ہے کہ صرف وہ جنتی ہے تو لامحالہ شیطان یہ وسوسہ اور خناس دل میں ڈال دیتا ہے کہ دوسرے دوزخی ہیں۔

زبان سے تو کہا نہیں جاتا لیکن جب اپنے آپ کو جنتی قرار دے دیا جائے تو اس کا مفہوم یہی نکلتا ہے اور شیطانی وسوسہ ذہن کو اُسی طرف لے جاتا ہے کہ دیگر لوگ جنتی نہیں ہیں۔

ایک فرد جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مان رہا ہے۔

قرآن پاک پر ایمان رکھتا ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کر رہا ہے تو ایسے بندہ کے لئے یہ گمان کرنا کہ یہ جنتی نہیں ہے اس سے بڑھ کر کوئی گمراہی نہیں ہو سکتی۔ تفرقہ بازی گمراہی ہے اور آدمی کو صراط مستقیم سے دور کر دیتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ یہ کوشش فرمائی ہے کہ سارے مسلمان بھائی بھائی بن کر رہیں اور آپس میں نہ لڑیں، ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کریں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت سے رہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا یہی مشن ہے۔ بھائی کو بھائی سے لڑانا، مسلمانوں کو آپس میں دست و گریبان کر کے فساد و خون خرابہ کرنا شیطان کا مشن ہے۔ اگر کوئی شیطانی خصلتوں یعنی تعصب، نفرت، حقارت اور تفرقہ کو اپناتا ہے تو وہ ایسے راستے پر چل پڑا ہے جو شیطان کا پسندیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مشن توحید ہے اور اللہ تعالیٰ وحدت کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کیلئے یہ حکم ہے کہ جس طرح تم مجھے ایک مانتے ہو اسی طرح مسلمان ایک قوم کی طرح متحد ہوں۔ اگر ساری مسلمان امت ایک قوم بن جائے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کی دوست ہے اور اللہ تعالیٰ کی دوست قوم ذلیل و خوار نہیں ہوتی۔

آج اس کے برعکس صورتحال یہ ہے کہ مسلمان سب سے زیادہ ذلیل، پریشان اور مفلوک الحال ہیں۔ اس دنیا میں اس وقت جتنی بڑی طاقتیں ہیں ان کی کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر زیادہ سے زیادہ فرقے پیدا کر دیئے جائیں۔ غیر مسلم اقوام اس پروگرام پر عمل پیرا ہیں اور زیادہ سے زیادہ فرقے پیدا ہو رہے ہیں۔ نتیجتاً مسلمان ذلیل و خوار ہیں۔ غیر مسلم حاکم اور مسلمان ہر جگہ محکوم ہیں۔ امت مسلمہ کی زبوں حالی، بے عزتی، بربادی اور ہلاکت صرف اس وجہ سے ہے کہ اسلام دشمنوں نے سازشوں کے ذریعے اُن کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور مسلمان تقسیم ہو کر فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ 72 سال کی عمر میں میرا تجربہ اور عقل یہ بتاتی ہے کہ اگر مسلمانوں کے اندر سے انتشار ختم نہ ہوا اور عالم اسلام میں مزید فرقے بنے اور مسلمانوں نے متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط نہیں پکڑا تو یہ قوم برباد اور ختم ہو جائے گی اور کوئی اس کا نام لیوا نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں۔ رب المسلمین نہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے

o جو قومیں اپنی تبدیلی نہیں چاہتیں اللہ ایسی قوم کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

جب کوئی قوم خود اپنی تباہی اور بربادی چاہتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے منظور کر لیتا ہے اور جب کوئی قوم اپنا عروج چاہتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی قبول کر لیتا ہے۔ اور اللہ ان دونوں باتوں سے بے نیاز ہے۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان ہے ''مومن ایک دوسرے کا بھائی ہے''۔ اس کے برعکس یہاں صورتحال یہ ہے کہ بھائی ہونا تو در کنار ہم ایک دوسرے کو کافر کہتے نہیں چوکتے۔ آج جو پریشانی واد بار ہے اور مسلمان تمام دنیا میں ذلیل و خوار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان نے تعمیری پہلو چھوڑ کر تخریبی رخ اختیار کر لیا ہے۔ تخریبی رخ یہ ہے کہ آپس میں تفرقہ ڈالا جائے اور ایک دوسرے کو برا سمجھ کر نفرت کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس تفرقہ بازی سے باہر نکلیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں کہ اگر مسلمان فوج فاتح بن کر کسی ملک میں داخل ہو تو عبادت خانوں کو نہ گرایا جائے، منبر نہ توڑے جائیں، ان کے مذہبی پیشوا کو قتل نہ کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ دیگر مذاہب کے عبادت خانوں اور مذہبی پیشوا کا احترام کیا جائے لیکن آج مسلمان، مسلمان نمازی کو قتل کر دیتا ہے۔ مسلمان بے شمار مسالک، طبقات اور فرقہ جات میں منقسم ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ایک مسلک کا پیروکار دوسرے مسلک کے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا

حالانکہ!

o وہ کلمہ گو ہے،

o نماز پڑھتا ہے،

o روزہ رکھتا ہے،

o زکوٰۃ ادا کرتا ہے،

o حج ادا کرتا ہے۔۔۔۔۔۔

گزشتہ دنوں انگلینڈ کے دورے میں ایک اجتماع کے دوران میں نے علماء و مشائخ حضرات کو ایک تجویز پیش کی کہ دیوبند اور بریلی تو ہندوستان کے شہر ہیں۔ آج مسلمان جو دیوبندی اور بریلوی کے نام سے پہچانے جا رہے ہیں اور اگر مسلمانوں کی یہی مجبوری ہے کہ وہ کسی شہر کے نام کے بغیر پہچانے نہیں جا سکتے تو کیا یہ زیادہ بہتر نہیں ہے کہ وہ دیوبندی اور بریلوی کے چکر سے نکل کر مکی و مدنی کہلائیں۔ آپ کو حیرت ہو گی کہ اس کا اثر یہ ہوا کہ جتنے بھی علمائے کرام وہاں تشریف فرما تھے ہال کے پچھلے دروازے سے باہر چلے گئے۔ جب اسلام کا تذکرہ آتا ہے تو سب سے پہلے مسلمانوں کا عمل و کردار زیر بحث آتا ہے۔ جب ہم کسی کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر کے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور اخلاق حسنہ پر عمل پیرا ہو تو سب سے پہلے یہ سوال اٹھتا ہے کہ:

* مسلمان کا اپنے اللہ پر کتنا ایمان ہے؟

مسلمان رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر کس حد تک عمل پیرا ہیں؟

اور ہم کس فرقہ کا اسلام قبول کریں۔۔۔۔۔۔؟

ایک انگریز نے مجھ سے سوال کیا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔

*آپ بتایئے کہ مجھے کون سا مسلمان کریں گے؟

مقلد یا غیر مقلد۔۔۔۔۔۔؟

شیعہ یا سُنی۔۔۔۔۔۔؟

دیوبندی یا بریلوی۔۔۔۔۔۔؟

*وہ مسلمان!

جو خود جھوٹ بولتا ہو اور ایک مقرر کی حیثیت سے یہ کہتا ہے کہ ہمارے نبی مکرم ﷺ نے ہمیں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔

*وہ مسلمان!

جو غذا میں ملاوٹ کر کے اپنے بھائیوں کو مسلسل زہر کھلا رہا ہو۔

*وہ مسلمان!

جو مساجد میں اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو قتل کر رہا ہے

*آج مسلمان کا کیا کردار ہے؟

معاشرہ کس طرح ایسے افراد کو قبول کرے؟

آیئے! عزم کریں کہ

تفرقہ بازی مسلمانوں کے لئے زہر قاتل ہے۔ سب کلمہ گو مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور مسلمان تفرقہ سے اجتناب کرتے ہوئے دوسرے مسلمان کو برا نہیں کہے گا۔ خود کو جنتی اور دوسرے کو دوزخی گمان نہیں کرے گا۔ جب مسلمان اس جذبہ سے عمل کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں امت مسلمہ میں پیدا کیا اور رسول اللہ ﷺ کی امت سے سرفراز فرمایا۔ ہمیں کلمہ اور نماز کی توفیق دی اور رسول اللہ ﷺ سے عشق و محبت ہمارے دلوں میں پیدا کی۔ ہمیں چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کریں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اور اعمال کو اپنانے کی کوشش کریں۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کریں گے

تو۔۔۔۔۔۔

انوار نبوت سے ہمارے قلوب اور ارواح منور ہو جائیں گی۔۔۔۔۔۔

ہمیں دنیا جہاں میں عروج حاصل ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔

نیابت و خلافت اور خاتم النبیّین ﷺ

سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے ہمیں یہ سعادت اور شرف نصیب ہوا ہے جس کی بناء پر ہم توحید پرست کہلاتے ہیں۔

آپ ﷺ کی ذات گرامی ایسی مبارک اور مسعود ہستی ہیں جن کی وجہ سے نوع انسانی کو اس بات کا ادراک ہوا کہ انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے اور انسان کس بنیاد پر اشرف المخلوقات ہے؟ سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد اور اس دنیا سے تشریف لے جانا اس مسلسل عمل کی آخری کڑی ہے جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو ایک مجلس منعقد فرمائی۔ اس مجلس میں فرشتے اور جنات موجود تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اللہ کے اس ارشاد پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ زمین فرشتے اور جنات پہلے سے موجود تھے اور نیابت و خلافت کے منصب پر کوئی فائز نہ تھا۔ آپ سے مراد یہ ہے کہ میں ایسی ہستی تخلیق کر رہا ہوں جو میری قائم مقام بن کر اپنے اختیارات استعمال کرے گی۔ جیسے نائب وزیر اعظم یا نائب گورنر ہوتا ہے۔

فرشتوں نے یہ بات سن کر کہا کہ آپ نے جس ہستی کو اپنا نائب یا خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا ہے اور جن عناصر سے اس کی تخلیق ہوئی ہے ان عناصر میں فساد اور خون خرابہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی اس بات کو رد نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ جو ہم جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں وہ تو کوئی بھی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ جس بندہ کو جتنا علم عطا کر دیں وہ اتنا ہی جانتا ہے۔ اس پر فرشتے خاموش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو نیابت و خلافت کیلئے اپنی ذات میں موجود صفات کا علم عطا کیا اور آدم کو خلیفۃ الارض کی حیثیت سے وہ علوم سکھا دیئے جن کو جان کر حضرت آدمؑ اللہ تعالیٰ کے نائب کے فرائض انجام دے سکیں پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور جنات کو سمجھانے اور ان سے آدم کی حاکمیت کا اقرار کرانے کیلئے آدم سے کہا کہ ہم نے اپنی نیابت اور خلافت کے اختیارات استعمال کرنے کیلئے قاعدوں اور ضابطوں پر مشتمل جو علم تمہیں سکھایا ہے وہ بیان کر دو۔ آدمؑ نے ان اسماء کی تفصیل بیان کر دی جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھائے تھے۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا کہ جو کچھ آدم نے بیان کیا ہے اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے اور آپ حکیم و علیم اور دانا و بینا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب چونکہ آدم کو نیابت و خلافت سونپ دی گئی ہے اس لئے تم آدم کی حاکمیت کا اقرار کرو۔ فرشتوں نے آدم کو

سجدہ کیا۔ سجدے سے مراد یہ نہیں کہ نعوذ باللہ فرشتوں یا جنات نے آدم کو اللہ کا درجہ دے دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آدم کی حاکمیت قبول کرنے کیلئے اپنے سر جھکا دیئے اور یہ اقرار کر لیا کہ آدم ان علوم کی بنیاد پر ہمارے حاکم ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے نیابت و خلافت کیلئے آدمؑ کو سکھائے ہیں۔

اس موقع پر جنات میں دو گروہ بن گئے ایک گروہ نے آدم کی حاکمیت کو قبول کر لیا اور دوسرے گروہ نے آدم کی حاکمیت قبول نہیں کی۔ جس گروہ نے آدم کی حاکمیت کو قبول کر لیا وہ اللہ کا پسندیدہ گروہ کہلایا اور جس گروہ نے آدمؑ کی حاکمیت قبول نہیں کی اللہ تعالیٰ نے اسے معتوب قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اختیارات تفویض کر کے جنت میں بھیج دیا اور جنت میں ان علوم کی پریکٹس کرائی جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھائے تھے۔

جنت کا ماحول یہ ہے کہ جب آپ 'سیب' کہیں تو سیب موجود ہو جاتا ہے۔ دنیا کی طرح سیب حاصل کرنے کیلئے ضروری نہیں ہے کہ آپ زمین کھودیں اس میں سیب کا پودا لگائیں پھر اس پودے کو پانی دیں اور کھاد ڈالیں، اسے کیڑے مکوڑوں سے بچائیں۔ بارش اور دھوپ سے اس کی حفاظت کریں اور پھر سات آٹھ سال تک پھل کا انتظار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے جب کن کہا تو کائنات بن گئی۔

جنت میں آدم نے سیب کہا تو سیب موجود ہو گیا۔ یہ امر سمجھنے کیلئے تخلیقی قوانین کا علم جاننا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ فرشتے، جنات، آسمان، زمین، چاند، سورج تخلیق ہوں تو سب ایک لفظ کُن سے وجود میں آ گئے۔ اس تخلیقی عمل میں یہ بات غور طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کُن کہا تو پہلے سے کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ کُن کے بعد ان کی تخلیق ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے کن کہنے اور آدم کے اختیار میں یہ فرق ہے کہ جب آدم نے 'سیب' کہا تو وہ سیب سامنے آیا جو پہلے سے موجود تھا۔ آدم نے جب 'پانی' کہا تو وہ پانی موجود ہوا جو پہلے سے تخلیق ہو چکا ہے۔ آدم نے حُور کہا تو حُور موجود ہو گئی اس کا مطلب یہ ہے کہ حُور پہلے سے موجود تھی۔ جب آدم نے حُور کہا تو وہ سامنے آ گئی۔ ایسا نہیں ہے کہ حُور پہلے سے موجود نہ تھی اور آدم کے کہنے سے تخلیق ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں!

o میں احسن الخالقین ہوں یعنی میں تخلیق کرنے والوں میں بہترین ہوں بہترین خالقیت کا وصف یہ ہے کہ ایک چیز عدم سے وجود میں آ جاتی ہے۔ اور آدم کی تخلیق کا وصف یہ ہے کہ پہلے سے موجود وجود کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

جتنا عرصہ آدم جنت میں رہے تو آدم کو کُن کہنے کی پریکٹس ہوتی رہی اور آدم کے اندر اللہ تعالیٰ کے علم الاسماء کا یقین راسخ ہو گیا۔ آدم کے مشاہدہ میں یہ بات آ گئی کہ میں جو ارادہ کرتا ہوں اس پر لازماً عمل درآمد ہو جاتا ہے۔

یاد رہے!

کہ یہ عمل در آمد اللہ کی تخلیق کردہ اشیاء میں ہوگا کوئی نئی اور غیر موجود شئے تخلیق نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے کہا اور تمہاری بیوی جنت میں خوش ہو کر رہو۔ جہاں سے جو چیز چاہو، خوشی خوشی کھاؤ پیو۔ جنت میں رہنے کیلئے دو شرائط عائد ہوئیں۔ تخلیق کے تناظر میں یہ بات اہم ہے کہ خالق پر کوئی شرط عائد نہیں ہوتی۔ شرائط مخلوق کیلئے عائد ہوتی ہیں۔ دو شرائط یہ ہیں کہ

1۔ جنت میں خوش ہو کر رہنا بے حد خوش ہو کر کھانا پینا ہے۔ یعنی خوشی کے ساتھ جنت کی ساری زمین پر تصرف کا حق دیا گیا۔ انسان جب خوش ہوتا ہے تو وقت کے گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ شادی بیاہ کے مواقع پر کئی کئی دن شادی کے معمولات میں گزر جاتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ اتنے دن گزر گئے لیکن وقت کا پتہ نہیں چلا۔ خدانخواستہ کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو دس منٹ بھی دس گھنٹوں کے برابر ہو جاتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب انسان خوش ہوتا ہے تو وہ اسپیس کی گرفت سے آزاد ہو جاتا ہے اور جب غمگیں اور پریشان ہوتا ہے تو وقت کی گرفت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ ایک دن ایک سال کے برابر لگتا ہے۔ جنت کا ماحول چونکہ اس بات کا متقاضی ہے کہ وہاں خوش ہو کر رہا جائے اس لئے وہاں وقت کا دباؤ محسوس نہیں ہوتا۔

آپ قرآن پاک پڑھ کر جس قدر غور و فکر کریں گے تو معلوم ہوگا کہ جتنا خوش رہا جائے شعور اسی قدر آزاد ہوگا۔

2۔ آدم پر دوسری شرط یہ عائد کی گئی کہ شجر ممنوعہ کے نزدیک نہیں جانا۔ اگر تم اس درخت کے قریب گئے تو تمہارا شمار ظالمین میں ہو گا۔ اس درخت کے قریب جانا۔۔۔۔۔ حکم عدولی یا ٹائم اور اسپیس کی گرفت ہے۔

ظالمین کا مطلب ہے۔۔۔۔۔ تم ناخوش ہو جاؤ گے۔

بہر حال شیطان کے بہکاوے میں آکر آدم سے جنت میں سہو ہو گیا اور اس بھول پر آدم کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ مجھ سے حکم عدولی ہو گئی ہے۔ جب جنت کی فضاء ''خوشی'' سے نکل کر آدم کے ذہن میں ظالمین کا تاثر قائم ہو گیا تو آدم اسپیس کی گرفت میں آگئے یعنی آدمؑ کو جنت سے زمین پر اتار دیا گیا۔ آدمؑ نے زمین پر عاجزی انکساری کی۔۔۔۔۔ روتے رہے۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہیں، اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو معاف فرما دیا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس شرط کی یاد دہانی کرادی کہ اگر تم خوش رہو گے تو جنت میں دوبارہ داخل ہو جاؤ گے اور اگر خوش نہ ہوئے تو جنت تمہیں قبول نہیں کرے گی۔

خوشی کیا ہے؟

اللہ کے پسندیدہ راستے پر چلنا۔۔۔۔۔خوشی ہے اور

اللہ کے پسندیدہ راستے پر نہ چلنا پریشانی اور ناخوشی ہے۔

خوش رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی حکم عدولی نہ ہو یعنی تم شجر ممنوعہ کے پاس نہ جاؤ۔ مثلاً جو ایک شجر ممنوعہ ہے۔اس میں شاخ در شاخ برائی پھلتی پھولتی ہے اور آدمی تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔اسی طرح جھوٹ کی بے شمار شاخیں ہیں، آدمی کو ایک جھوٹ کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور جھوٹ کے درخت کی سو شاخیں انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جتنی بھی ممنوعہ باتیں بتائیں ہیں وہ سب شجر ممنوعہ ہیں۔ جھوٹ بولنا، حقوق العباد کا خیال نہ رکھنا یا قتل کرنا برائی کا درخت ہے۔ جو شاخ در شاخ بڑھتا رہتا ہے۔اسی صورت خوشی کا درخت ہے۔اس میں سے بھی شاخیں نکلتی ہیں مثلاً آپ نے ایک کنواں بنوا دیا اور اس سے ہزاروں آدمی سیراب ہوتے ہیں تو وہ کنواں ایک درخت ہے۔اور پانی پینے والے ہزاروں آدمی اس کی شاخیں اور پھول ہیں۔اس طرح نیکی اور برائی ایک درخت کی طرح پھلتی پھولتی ہے۔ حضّور پاک ﷺ نے فرمایا نیکی ایک درخت ہے جس سے تمہیں بھی فائدہ پہنچتا ہے۔اور تمہاری اولاد کو بھی فائدہ پہنچتا ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ

o اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندے آپس میں پیار و محبت سے رہیں۔

o ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب نہ بنیں اور

o ایک دوسرے کی حق تلفی نہ ہو

o اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جن آداب کا تعین کر دیا ہے ان کی پیروی کر کے اللہ کو راضی رکھیں اسی طرح آپ راضی برضا اور خوش و خرم رہیں گے

o رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر صدق دل سے عمل کریں۔

یہ ہماری سعادت ہے کہ ہم حضّور پاک ﷺ کے امتی ہیں اس کے ثمرات تب حاصل ہوں گے جب رسول اللہ ﷺ کے اوصاف ہمارے اندر پیدا ہوں گے۔ اگر ہم باعمل ہوں گے تو سچی و حقیقی خوشی اور اطمینان قلب نصیب ہو گا۔اگر خوش نہیں رہیں گے تو سکون نہیں ملے گا اور یقین کے درجے میں داخل نہ ہو سکیں گے۔

o یہ قانون ہے۔

ناخوش آدمی جنت میں نہیں جا سکتا۔

ہر امتی پر فرض ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کرے کہ

*کیا میں اپنے عمل میں سچا ہوں۔۔۔۔۔۔؟

کیا میں حضور ﷺ کا امتی کہلا سکتا ہوں۔۔۔۔۔۔؟؟

جب آپ اس سوال پر غور و فکر کریں گے تو یہی جواب ملے گا کہ یقیناً میں اس کا اہل نہیں ہوں کہ آپ ﷺ کا امتی کہلا سکوں۔

اب یہ خیال آئے گا کہ میں کس طرح آپ ﷺ کا امتی ہوں؟

آج اپنی حالت اور اعمال سے ہم فرشتوں کی اس بات کی تصدیق تو کر رہے ہیں کہ یہ فساد کرے گا لیکن اللہ کی اس بات کا مان کہاں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں نے آدم کو علم الاسماء سکھائے ہیں؟ آج وہ علم کہاں ہے؟

علم الاسماء میں تو فساد نہیں بلکہ رحمت ہی رحمت اور اللہ ہی اللہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

o جو بندے میرے لئے جد وجہد کرتے ہیں۔

میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ان پر اپنے راستے کھول دوں!

حیات طیبہ اور مشاہدہ

قرآن پاک میں ارشاد ہے!

o میں اور میرے فرشتے رسول ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والوں تم بھی رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجو!

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

o اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے مخلوق کو محبت کے ساتھ اس لئے تخلیق کیا تا کہ مخلوق مجھے پہچانے۔

پہچاننے کے اس پروگرام میں بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بحیثیت خالق۔۔۔۔۔ مخلوق سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جان اور پہچان لے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب مخلوق خود اپنے آپ کو پہچانتی ہو۔۔۔۔۔۔ فرشتے، جنات اور آدم اللہ کی تخلیق ہیں۔

حضرت آدمؑ نے جنت سے اتر کر خالق اور مخلوق کے درمیان مخفی رشتے کو ظاہر کیا۔۔۔۔۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

o اے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ اگر آپ نے ہمیں معاف نہیں کیا تو ہمارے لئے خسارے کے علاوہ دوسری کوئی شئے نہیں ہے۔

اس آیت پر غور کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربوبیت اور بندگی کا رشتہ قائم کیا اور مخلوق کی حیثیت سے عاجزی و انکساری کا اظہار فرمایا ہے۔ نسل آدم کو اس رشتہ کی یاد دہانی کیلئے پیغمبروں کی آمد کا ایک سلسلہ قائم ہوا۔ ان میں ایک نمایاں نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ جن کی اولاد۔۔۔۔۔۔ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں کئی پیغمبر مبعوث ہوئے۔ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور تقریباً پچیس پیغمبروں کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو آخری نبی ہیں۔

ان پیغمبروں کی تعلیمات پر غور کیا جائے تو ایک ہی بات کا تسلسل ملتا ہے کہ

oاللہ ایک ہے۔

اللہ خالق ہے اور ہم سب مخلوق ہیں۔

اللہ بے نیاز ہے اور باقی ہر شئے اللہ کی محتاج ہے۔

تمام انبیاء نے ایک ہی بات کہی کہ اس کائنات کے دو رخ ہیں۔ایک رخ کا نام خالق اور دوسرے کا نام مخلوق ہے۔خالق اسے کہتے ہیں جو مخلوق کو پیدا کر کے اس کے لئے وسائل فراہم کرتا ہے اور مخلوق کی خبر گیری کر کے اسے تحفظ فراہم کرتا ہے۔مخلوق اسے کہتے ہیں جو زندگی کے ہر شعبے میں خالق کی محتاج ہوتی ہے مثلاً روشنی، ہوا، پانی، خوراک اور لباس وغیرہ۔اللہ تعالیٰ ان تمام ضروریات کو لاکھوں کروڑوں سال سے پوری کر رہا ہے اور جیسے جیسے آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ضروریات بڑھ رہی ہیں اللہ تعالیٰ نئے نئے وسائل پیدا کر رہے ہیں۔

ابتداء میں ایندھن کے لئے لکڑی استعمال ہوتی تھی۔آبادی میں اضافہ اور ایندھن کے زیادہ استعمال سے جنگلات ایندھن کے طور پر ناکافی ہونا شروع ہو گئے تو مٹی کا تیل دریافت ہوا کوئلہ بطور ایندھن استعمال ہوا پھر یہ بھی ناکافی ہوا تو قدرتی گیس دریافت ہو گئی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پیٹرول نکال دیا۔متبادل ذریعہ کے طور پر بجلی دریافت ہوئی۔ایک ضرورت کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے کئی متبادل وسائل فراہم کر دیئے۔اسی طرح مخلوق کو جب بھی کوئی ضرورت پیش آئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے نئے وسائل فراہم کئے ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ مخلوق کی طرح احتیاج نہیں رکھتا اور اپنی ذات میں قادر مطلق ہے اور مخلوق کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے۔

مخلوق سراپا ذی احتیاج ہے اور اس کا ہر قدم اس بات کا پابند ہے کہ خالق کے ساتھ اس کی احتیاج قائم رہے۔مخلوق چاہے اسے تسلیم کرے یا نہ کرے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔زمین کو سورج کی حرارت نہ ملے تو کھیت میں اناج نہیں ہو گا اور اس دنیا میں اتنے حشرات الارض نکل پڑیں گے کہ وہ تمام نباتات اور درخت چاٹ جائیں۔حتیٰ کہ انسان بھی ان کا لقمہ تر بن جائے۔چاند نہ نکلے تو پھل اور اناج میں مٹھاس نہیں ہو گی اور چیز اتنی کڑوی ہو جائے گی کہ انسان اسے کھانے کیلئے زبان پر ہی نہیں رکھ سکے۔اللہ تعالیٰ نے زمین اور پہاڑوں میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے ہیں کیسی عجیب بات ہے کہ انسان زمین کھودتا ہے تو اسے پانی ملتا ہے جو مخلوقات کی حیات کیلئے لازمی و بنیادی جزو ہے۔اب اگر پانی نہ ہو تو حیات ختم ہو جائے۔

چاند اور سورج کے طلوع و غروب میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے،اناج کے پکنے اور پھلوں کے اندر مٹھاس پیدا کرنے میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اسی طرح پانی کے چشمے انسان نے جاری نہیں کئے ہیں؟

اللہ تعالیٰ سورۃ اخلاص میں ارشاد فرماتے ہیں

*کہہ دیجئے اللہ ایک ہے۔

غور فرمائیں مخلوق ایک نہیں ہوتی ہمیشہ کثرت میں ہوتی ہے۔ پرندے، چرندے، درندے، حیوانات، نباتات، جمادات، سمندری مخلوق، فرشتے، جنات، انسان سب کثرت ہے۔ مخلوق کسی طور کثرت سے باہر نہیں ہو سکتی۔

*اللہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔

مخلوق کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ محتاج ہوتی ہے پیدائش سے لے کر بڑھاپے تک محتاج ہے۔ کھانے پینے اور دیگر وسائل کی محتاج۔۔۔۔۔ آپس میں رشتوں کی محتاج، معاشرت، معیشت اور بود و باش میں محتاج، غرض مخلوق ہر حال اور ہر چیز میں خالق کی محتاج ہے۔

*نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔

جبکہ مخلوق کیلئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی اولاد ہو یا کسی کا باپ ہو نسل کشی کے بغیر مخلوق۔۔۔۔۔ مخلوق نہیں ہو سکتی۔

*نہ ہی اس کا کوئی خاندان ہے۔

مخلوق کسی کی اولاد ہو گی۔۔۔۔۔ اور جب کسی کے ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچے ہوں گے تو لازماً خاندان بھی ہو گا بلکہ بے شمار خاندان ہوں گے جس سے برادری، قوم، قبیلہ اور نسل قائم رہتی ہے۔

سورۃ اخلاص میں خالق اور مخلوق کا بنیادی فرق بیان کیا گیا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق نہیں،

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے،

اللہ تعالیٰ واحد اور بے نیاز ہے۔۔۔۔۔

جس کی بزرگی اور برتری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

*کہ بے علم لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہو گئے حالانکہ ابھی ایمان توان کے قلوب (مشاہدہ) میں داخل نہیں ہوا یہ تو صرف مسلمان ہوئے ہیں۔

قرآن پاک کی ہر آیت اور رسول اللہ ﷺ کے ہر ارشاد میں حکمت ہے۔اس حکمت کا شعور اس وقت حاصل ہوتا ہے جب قرآن میں تفکر اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔جب ہم اللہ،اللہ کے رسول ﷺ قرآن پاک اور حدیث سے رہنمائی حاصل کریں گے تو ہمیں مشاہداتی علم حاصل ہو گا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ہم مسلمان تو ہیں لیکن اللہ کے ارشاد کے مطابق ایمان ابھی ہمارے قلوب میں داخل نہیں ہوا۔مومن وہ ہوتا ہے جو زبانی اقرار کے ساتھ قلبی مشاہدہ بھی کرتا ہے۔لغوی اعتبار سے ایمان کے معنی یقین کے ہیں۔

جب سے مسلمانوں کے اندر مشاہداتی حواس ختم ہوئے اسلام کمزور ہو گیا ہے۔کوئی مسلمان اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر آج تک قرآن، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج میں ردوبدل نہیں ہوا لیکن آج مسلمان سب سے کمزور، محکوم اور بدنام ہیں اور امت مسلمہ ہر روز زوال پذیر ہے۔

میری سمجھ کے مطابق اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر سے ایقان اور شہود کی طاقت یعنی ایمان نکل گیا ہے۔اور ہم مشاہدہ سے محروم ہو گئے ہیں۔کیسی عجیب بات ہے کہ ہمیں نماز سے حضّور قلب نہیں ملتا کیونکہ ہمیں معلوم نہیں ہم نماز میں کیا عرض و معروض کرتے ہیں۔

*اگر ہم نماز میں پڑھی جانے والی آیات کے ترجمے یاد کر کے ان پر غور کریں تو یقیناً ہماری نمازوں میں یکسوئی پیدا ہو گی اور اطمینان قلب کے بعد ہمارا رابطہ اللہ سے قائم ہو جائیگا۔جس قوم کا تعلق اللہ سے قائم ہو جاتا ہے وہ کبھی بے سکون نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد مسلمانوں کے لئے جو ورثہ چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ اللہ کی کتاب ہے۔کتاب کا مطلب یہ نہیں کہ عربی زبان میں ایک کتاب آپ کے پاس موجود ہو !آپ اس کو صرف سعادت کیلئے پڑھتے رہیں لیکن اس کے معنی اور مفہوم کا علم نہ ہو۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے

اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام ارواح سے یہ عہد لیا؟

الست بربکم!

قالو بلیٰ

*کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں

جی ہاں !آپ ہمارے رب ہیں۔

عالم ارواح میں روحوں کے اندر نہ سماعت تھی اور نہ بصارت نہ اس کے اندر کوئی احساس تھا۔ روح صرف یہ جانتی تھی کہ "میں ہوں" لیکن کیا ہوں، کون ہوں، کہاں ہوں، کیسے ہوں، کیسے پیدا ہوئی۔۔۔۔۔۔ روح ان باتوں کو نہیں جانتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جمود کو توڑنے اور ارواح کو باخبر کرنے کیلئے اپنے آپ کو ارواح کے سامنے پیش کر دیا۔

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں تمہارا رب ہوں تو ارواح نے اللہ کی آواز سنی۔ اللہ کی آواز سننے سے روحوں میں سماعت کی صلاحیت متحرک ہو گئی۔ سماعت کے بعد دوسرا مرحلہ بصارت کا آیا۔ کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا اور توجہ کی مرکزیت کا حصول بصارت کی بنیاد ہے۔ اس مرحلہ پر ارواح آواز دینے والی ہستی کی طرف متوجہ ہوئیں اور نگاہ کی اولین مرکزیت اللہ تعالیٰ کی ہستی بنی تو ارواح کو بینائی، بصیرت اور بصارت ملی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی آواز سماعت کا پہلا مرحلہ ہے اور آواز سننے کے بعد دوسرا مرحلہ ادراک ہے۔ روحوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو تیسرا مرحلہ بصارت بنا۔

براہ راست طرز فکر میں اس بات کو اس طرح کہا جائے گا کہ روح کی اولین بصارت، روشنی یا نگاہ اللہ تعالیٰ ہے اور روح کی نگاہ نے پہلی ہستی اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ اللہ کو دیکھنے کے بعد ارواح میں قوت گویائی پیدا ہوئی اور روحوں نے اللہ کو دیکھ کر اس بات کا اقرار کیا کہ

جی ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی آواز سننا (سماعت) آواز سن کر متوجہ ہونا (ادراک یا بصیرت) آواز دینے والی ہستی کو دیکھنا (بصارت) اور جواب دینا (گویائی) سے قبل ارواح کے پاس نہ سماعت تھی اور نہ ہی ادراک، بصارت اور قوت گویائی تھی۔ جب ارواح نے یہ ادراک کیا کہ:

ہمارے علاوہ بھی کوئی ہستی ہے تو اس کے اندر حواس تشکیل پائے۔ اللہ کو دیکھنے کے بعد ارواح نے اس بات کا ادراک کیا کہ میرے علاوہ بھی کوئی ہے اور میں مخلوق ہوں اور میرا پیدا کرنے والا خالق اکبر اللہ ہے۔ ہر روح کی پہلی سماعت اللہ کی آواز، پہلی بصیرت اللہ کی فہم، پہلی نگاہ اللہ کی بصارت اور اولین کلام اللہ کو دیکھنے کے بعد اس کی ربوبیت کا اقرار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

* تم میری سماعت سے سنتے ہو، میری بصارت سے دیکھتے ہو، میرے فواد سے سوچتے ہو اور میری قوت گویائی سے بولتے ہو۔ اگر ہم یوم ازل اللہ کی آواز نہ سنتے تو ہمارے اندر سماعت پیدا نہ ہوتی اور اللہ کو نہ دیکھتے تو مخلوقات کو بصارت اور نگاہ ہی نہ ملتی تو سب اندھے ہوتے۔ اللہ کی ربوبیت کا اقرار نہ کرتے تو ہمارے اندر قوت گویائی ہی نہ ہوتی اور مخلوق عقل فہم ہوش حواس سے بیگانہ ہوتی۔

اللہ کی قدرت کے مناظر زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے یہ سب کچھ ہم اس لئے دیکھ رہے ہیں کیونکہ روح کی آنکھ اللہ کو دیکھ چکی ہے۔رسول اللہ ﷺ کی یہ تعلیمات ان کے علم کے وارث اولیاءاللہ کو منتقل ہوتی ہیں۔

مخلوق دو طرح تخلیق ہوئی۔اول عالم ارواح میں جہاں ارواح نے اللہ کی آواز سن کر اور اللہ کو دیکھ کر اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا لیکن اللہ کے نظام کے تحت ابھی مخلوق نے وہ روپ اختیار نہیں کیا جہاں مخلوق خالق کو قبول کرے یا رد کرے۔عالم ارواح میں تو اللہ کو سامنے دیکھنے کے بعد کون انکار کر سکتا ہے، جہاں اختیار زیر بحث نہیں آتا لہٰذا عالم ارواح کے بعد مخلوق عالم ناسوت میں آئی۔یہاں عالم دنیا میں روح نے ایک اور جسم بنایا جسے ہم مادی جسم کہتے ہیں۔یہاں مادی جسم میں روح نے یوم ازل کی کیفیت کو دھرایا۔

میرے دوست سوال کرتے ہیں کہ

اختیار کہاں سے آیا؟

میں عرض کرتا ہوں!

اللہ تعالیٰ نے روز ازل یہ اختیار دے دیا تھا۔۔۔۔۔۔

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

اس کا مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے روز ازل اقرار یا انکار کا اختیار دے دیا تھا۔

چاہے قبول کرو۔۔۔۔۔۔چاہے قبول نہ کرو۔۔۔۔۔۔

اس اختیار کے استعمال کے لئے روح کی یہ ڈیوٹی لگی کہ روح ایک اور وجود بنائے اور اس جسمانی وجود اور اپنے درمیان پردہ رکھے۔۔۔۔۔ایسا پردہ جو کوشش اور جدوجہد کے بغیر نہ اٹھے۔اس دنیا میں مخلوق کے مشاہدہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا ایک سلسلہ قائم کیا۔تمام پیغمبروں نے آخری پیغمبر رسول اللہ ﷺ کو متعارف کرایا اور سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

*ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالمین میں رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

نور و بشر ﷺ

قرآن پاک میں ارشاد ہے

اللّٰہ نور السمٰوات والارض

*اللہ آسمانوں اور زمین کا نُور ہے۔۔۔۔۔۔آسمان اور زمین نُور پر قائم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق آسمانوں اور زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ نُور ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات نُور ہے اور جس بیلٹ پر کائنات سفر کررہی ہے وہ بھی نُور ہے۔

ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ خالصتاً نُور پر قائم ہے۔اللہ جس کو چاہتا ہے یہ نُور دکھا بھی دیتا ہے۔ہر بندہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے جدوجہد کرتا ہے اس نُور کو دیکھ لیتا ہے۔جس نُور پر کائنات سفر کررہی ہے اس نُور کا مشاہدہ کرنے کے لئے قیام صلوٰۃ اور مراقبہ بہترین عمل ہے۔

حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اوّل ما خلق اللّٰہ نوری

*اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نُور تخلیق کیا۔

سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کائنات کی تخلیق کے پہلے فرد ہیں یعنی کائنات کا نُور ہیں۔اسی نُور سے ساری تخلیقات تخلیق ہوئیں۔

زمین پر ایک طرف حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر ہیں اور دوسری طرف باطن میں نُور ہیں۔لوگ اس بات پر اُلجھتے رہتے ہیں کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہے یا نہیں۔

ایک گروہ حضور ﷺ کی حیات مبارکہ کو مدینہ منورہ تک محدود کرتا ہے دوسرا گروہ حیات نبی ﷺ کا سارے عالمین میں قائل ہے۔اس عاجز فقیر نے اس مسئلے پر بہت سوچ وبچار کی۔میری سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ اللہ کے ارشاد کے مطابق شہید کے اوپر موت وارد نہیں ہوتی جبکہ شہادت کا واقع ہونا اس بات کے تابع ہے کہ شہید نبی مکرم ﷺ پر ایمان رکھتا ہو اور نبی مکرم کی تعلیمات کو

پھیلانے میں شہید ہوا ہو۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ شہداء اپنی قبروں سے شہروں میں آتے ہیں۔ بال بنواتے ہیں، ناخن ترشواتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ جب شہداء زندہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے شہید ہیں تو حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کے بارے میں شک کی کہاں گنجائش باقی ہے حضّور پاک ﷺ کے تمام امتی روضہ ءمقدس و مطہر پر جا کر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔ میں اس بارے میں عرض کرتا ہوں کہ اگر ایک آدمی پاکستان میں زندہ ہے تو وہ امریکہ میں کیوں زندہ نہیں ہے جو فرد زندہ ہے وہ ہر جگہ زندہ ہے۔ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ پر اسلام کے تمام مکاتب فکر متفق ہیں۔۔۔۔۔

صحابہ کرام، امت کے علماء، صلحاء اور اولیاء اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کے بعد امت کی دستگیری کے واقعات عوام و خواص اور اولیاء اللہ سے تواتر کے ساتھ کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ منبر پر وعظ فرمار ہے تھے۔ عین دوران وعظ منبر سے اتر آئے اور باادب سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے وجہ دریافت کی تو آپؒ نے فرمایا حضّور سید کون و مکان ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔

آپ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور جلوہ افروز ہو گئے۔ میری کیا مجال تھی کہ حضرت ساقی کوثر ﷺ کے برابر بیٹھتا یا آپ ﷺ کی جانب پشت کرتا، میں اتر آیا اور خاموش ہو گیا۔

جب حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے مرشد گرامی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا مزار مبارک تعمیر کرانا شروع کیا تو جہاں بہشتی دروازہ ہے وہاں آپؒ کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی زیارت حالت بیداری میں ہوئی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے والد محترم نے آپؒ کی پیدائش کے وقت رحمت مجسم حضرت رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا دیدار کیا کہ آپ ﷺ نے تشریف لا کر بچہ کے کانوں میں اذان واقامت کہی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے روح مبارک ﷺ کو ظاہراً و عیاناً دیکھا، نہ صرف عالم ارواح میں بلکہ عالم مثال میں زیارت کی۔

حضرت شیخ فرید الدینؒ ہر شب جمعہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی نیاز پکا کر درویشوں کو کھلاتے تھے۔ ایک دن منتظم نے نادانستگی میں کمہاروں کے گھر سے بغیر اجازت برتن لا کر طعام کے لئے استعمال کئے۔ جب رات گزر گئی تو شیخ فرید الدینؒ حجرہ سے باہر آئے۔

منتظم نے وجہ دریافت کی تو فرمایا، ''آج رات میں نے حضّور سرور عالم، نُور مجسم، نبی مکرم ﷺ کو خلاف معمول حجرے سے باہر قیام فرما دیکھا میں نے بڑھ کر باادب سلام کے بعد عرض کیا کہ میری بد قسمتی ہے کہ آج آپ ﷺ نے میرے حجرہ تاریک کو منور نہیں

فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے فرزند فرید تمہارے گھر میں مشتبہ برتن پڑا ہے جو میرے اندر آنے میں رکاوٹ ہے۔ شیخ فریدؒ نے فوراً وہ برتن باہر نکلوادیا اور دوسری شب جمعہ سے دگنا کھانا پکا کر سرکار دوعالم ﷺ کی روح پر فتوح پر ایثار کیا۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز مدینہ منورہ میں بحضور روضہ ﷺ بعد نماز تہجد مراقبہ میں تھا کہ ایک صاحب عظمت بزرگ کو دیکھا جو حضور ﷺ کے حجرہ شریف کے دروازہ پر آئے۔ ان کے لئے دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوئے اور پھر دروازہ بند ہو گیا۔ دوسری اور تیسری شب بھی ویسا ہی ہوا۔ میں نے چاہا کہ میں بھی انہی کے پیچھے پیچھے داخل ہو جاؤں مگر دروازہ بند ہو گیا اور میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حاضرین سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ انہوں نے کہا خاموش رہو اندر رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز ہیں اور تم باتیں کرتے ہو۔ صبح اپنے مرشد کریم شیخ عبداللہ یافعیؒ سے یہ حال بیان کیا کہ کبھی کبھی حضرت سرور عالم ﷺ کا دیدار ہوتا ہے مگر ہمکلامی کی سرفرازی حاصل نہیں ہوتی۔ اگر آپ کی توجہ سے یہ نعمت حاصل ہو جائے تو اپنے آپ کو بہت خوش بخت سمجھوں گا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں تمہیں اپنے پیرو مرشد کے پاس لے جاؤں گا۔ اس کے بعد آپ مدینہ شریف سے باہر تشریف لے آئے، میں بھی ساتھ تھا۔ جب ایک جنگل میں پہنچے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب نہایت شان و شوکت سے ایک تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ دربار پُر نور ہستیوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہاں رقعہ جات اور عرضیاں لکھی جا رہی ہیں۔ جب میں نزدیک گیا اور دیکھا تو یہ وہی بزرگ تھے جو نیم شب روضہ اطہر میں داخل ہوتے نظر آئے تھے۔ شیخ عبداللہ یافعیؒ نے آپ کے نزدیک جا کر عرض کیا کہ یا غوث الاعظم! یہ سید زادہ نہایت شائستہ اور آرزومند ہے کہ حضّور انور ﷺ کی مجلس میں داخل ہو کر دولت ابدی سے سرخرو ہو۔ پس ایک پروانہ اس کو بھی عنایت فرمادیجئے آپ نے میری جانب التفات سے دیکھا اور فرمایا کہ اس کے لئے چٹھی کی ضرورت نہیں اس کو میں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا۔ جب دربار برخاست ہوا، آپؒ اٹھے اور مجھے اپنے ہمراہ لے کر چلے اور مجلس عالیہ میں داخل کیا۔ دولت کاملہ وسعادت مشاہدہ حضّور نبی کریم ﷺ مجھے حاصل ہوئی۔

رمضان المبارک میں حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ لیلۃ القدر کب آئے گی؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا "فرزند عزیز! شب بیداری کا معمول جاری رکھو۔ یہ بھی واضح رہے کہ محض جاگتے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ پاسبان ساری رات آنکھوں میں گزار دیتے ہیں مگر انہیں فیض آسمانی کب نصیب ہوتا ہے۔

خدائے برتر کا فضل شامل حال ہونا چاہئے۔ نصیب یاوری کرے تو انسان کو سوتے سے جگا کر دامن طلب برکات کے موتیوں سے بھر دیا جاتا ہے۔ سید صاحبؒ قیام گاہ پر چلے گئے اور شب بیداری کا معمول جاری رکھا۔ 27 رمضان المبارک کو عشاء کے بعد بے اختیار نیند آ گئی۔ رات کا ایک حصہ باقی تھا کہ اچانک کسی نے جگا دیا۔ اٹھے تو دیکھا دائیں بائیں حضرت رسول اللہ ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ تشریف فرما ہیں اور زبان مبارک پر کلمات جاری ہیں "احمد اٹھو اور غسل کرو آج شب قدر ہے۔ خدا تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہو اور قاضی الحاجات کی بارگاہ میں دعا و مناجات کرو۔" اس کے بعد یہ دونوں بزرگ تشریف لے گئے۔ سید صاحبؒ دوڑ کر حوض کی طرف

گئے اور باوجود یہ کہ سردی سے حوض کا پانی برف ہو رہا تھا اس سے غسل کیا اور کپڑے بدل کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ سید صاحبؒ فرماتے ہیں اس رات مجھ پر فضل الٰہی کی بارش ہوئی اور حیرت انگیز واردات و کیفیات مجھ پر وارد ہوئیں۔ میری بصیرت اس طرح روشن ہو گئی کہ میں نے دیکھا تمام درخت، پتھر اور دنیا کی ہر چیز سجدہ میں ہے اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہے مگر ظاہری آنکھوں سے اپنی اپنی جگہ کھڑی معلوم ہوتی تھیں صبح اذان تک یہی کیفیت رہی۔

عاشق رسول ﷺ حضرت مولانا احمد رضا خانؒ نے جب مدینہ طیبہ میں حاضری دی تو دیدار شوق میں درود شریف پڑھتے رہے یقین تھا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور عزت افزائی فرمائیں گے لیکن پہلی شب ایسانہ ہوا تو آپؒ نے ایک نعت کہی۔ نعت عرض کرنے کے بعد انتظار میں مودب بیٹھے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور آقا و مولی ﷺ کی بیداری میں زیارت نصیب ہوئی۔

عارف کامل حضرت مخدوم اسماعیل سومرو سندھ کے عارفین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے ہزارہا افراد نے فیض پایا۔ ان کی حضور پرنُور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک سے حظیرۃ القدس میں ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ انہوں نے ایک رات خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح مٹیاری کے ایک نوجوان سید سے کر دیا۔ جن کی اولاد آج تک مٹیاری میں موجود ہے۔ آپ کی دوسری بیٹی ایک عارفہ، کاملہ، ولیہ اور معارفت الٰہی کے مقامات سے آگاہ تھیں۔ آپ ہی سے فیض یافتہ اور آپ کی خلیفہ تھیں۔ اس خاتون کو بھی سیدوں کی ایک بچی کا ادب کرنے پر مخدوم صاحبؒ کو حضور اکرم ﷺ کی طرف سے روحانیت کی بشارت ملی اور اس کے بعد ہی اس خاتون کو یہ کمالات حاصل ہوئے۔ حضرت مخدوم اسماعیل سومرو شب و روز خدمت خلق کرتے تھے۔

درخان، بلوچستان کے بزرگ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخانی نقشبندی مجددیؒ کی والدہ محترمہ نے آپ کی پیدائش سے پیشتر ایک خواب دیکھا کہ " میں ایک ایسے مکان میں ہوں جو نُور سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ وہاں ایک خاتون تشریف لائیں۔ وہ صورت و لباس سے بہت حسین و جمیل تھیں۔ ہر طرف دلآویز خوشبو بکھر گئی۔ انہوں نے عربی زبان میں ارشاد فرمایا کہ 'میں فاطمہ ہوں اور وہ میرے والد بزرگوار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جنہوں نے مجھے بھیجا ہے' جب میں نے دیکھا تو تھوڑی دور حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ بہت ہی حسین اور بے نظیر لباس پہنے ہوئے تھے۔ پھر حضرت بی بی فاطمہؓ نے چراغ میں بتی اور تیل ڈال کر اسے جلایا اور مجھے دے کر فرمایا تیرا یہ چراغ نہیں بجھے گا۔"

پیر صاحب گولڑہ شریف حضرت مہر علی شاہ قدس سرہٗ ایک مرتبہ حج بیت اللہ تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں سواری کا خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ جب وادیٔ حمرا پہنچے تو تمام حاجی تھک کر چُور تھے۔ جاتے ہی لیٹ گئے۔ کسی نے نماز پڑھی کسی نے نہیں پڑھی۔ پیر صاحبؒ نے عشاء کی نماز کے صرف فرض پڑھے اور سونے کا ارادہ کیا۔ دیکھا کہ حبیب خالق اکبر، ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزر رہے ہیں۔ جب بالکل قریب پہنچے تو میری طرف سے پردہ کر لیا۔ میں دوڑ کر آگے بڑھا اور عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے

کیا غلطی ہوئی جو التفات نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آپ ہماری سنتیں چھوڑیں گے تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ یہ سن کر پیر صاحبؒ پر گریہ طاری ہوگیا۔ دوبارہ عشاء کی پوری نماز پڑھی اور مشہور نعت کہی جس کے چند اشعار درج ہیں۔

اَج سِک متراندی ودھیری اے

کیوں دلری اداس گھنیری اے

آج محبوب کی محبت کی کسک زیادہ محسوس ہورہی ہے۔ معلوم نہیں آج یہ ننھا سا دل کیوں اتنا اداس ہے۔

لوں لوں وچ شوق چنگیری اے

اج نیناں لایاں کیوں جھڑیاں

میرے روئیں روئیں میں شوق محبت موجزن ہے۔ آج آنکھوں نے کیوں برسات کی جھڑیاں لگادی ہیں۔

حضرت سید علی ہجویری (حضرت داتا گنج بخشؒ) کو امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ سے خاص عقیدت تھی اور تعمیل دستور شریعت میں ان کے اتباع کو مستند سمجھتے تھے۔ اس عقیدت کے ضمن میں اپنی مشہور تصنیف ''کشف المحجوب'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں ملک شام میں تھا۔ ایک مرتبہ موذنِ اوّل حضرت بلالؓ کے مزار مبارک کے سرہانے سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور حضرت رسول اللہ ﷺ باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہورہے ہیں اور جس طرح کوئی کسی بچہ کو گود میں لئے ہوئے ہو اس طرح ایک عمر رسیدہ شخص کو گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں دوڑ کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچا اور پائے مبارک کو بوسہ دیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ عمر رسیدہ شخص کون ہو سکتا ہے۔ اتنے میں میرا خطرہ قلب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص تیری قوم کا امام ہے یعنی ابو حنیفہؒ۔ اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنی قوم کے حق ہونے پر روح پرور امیدیں بندھ گئیں اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضرت امام اعظمؒ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی صفات ذاتی سے فانی ہو چکے ہیں اور احکام شرح کے لئے باقی ہیں اس لئے کہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شرع کے حامل تھے۔ اگر میں انہیں بذات خود چلتے ہوئے دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ وہ باقی الصفت ہیں اور باقی الصفت کے لئے خطا اور ثواب دونوں کا امکان ہے لیکن چونکہ انہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیکھا لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کا وجود ذاتی فنا ہو چکا ہے اور اب ان کا جو وجود قائم ہے وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے قائم ہے اور چونکہ آپ ﷺ کی ذات گرامی کے لئے کسی طرح کی خطا کا امکان نہیں ہے اس لئے جس شخص کا وجود آپ ﷺ کی ذات اقدس میں فنا ہو چکا ہو وہ بھی امکان خطا سے پاک ہے۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ جب اپنے باکمال مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں بازیاب ہوئے تو یہ انتظار رہا کہ حضرت شیخ الشیوخؒ خرقہ پہنائیں گے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا آراستہ مکان ہے جو انوار و تجلیات سے جگمگا رہا ہے۔

درمیان میں ایک مرصع تخت پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ دائیں جانب حضرت شیخ الشیوخؒ دست بستہ کھڑے ہیں اور قریب ہی چند خرقے لٹکے ہوئے ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا اور حضرت شیخ الشیوخؒ نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر آپ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا کہ میں قدم بوسی حاصل کروں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لٹکے ہوئے خرقوں میں سے ایک خرقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خرقہ بہاءالدین کو پہناؤ۔ حضرت شیخ الشیوخؒ نے ارشاد کی تکمیل کی۔ پھر علی الصبح مجھے طلب کیا۔ جب میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ وہی مکان ہے اور اسی طرح خرقے لٹکے ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخؒ نے وہی خرقہ جس کی جانب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اتار کر مجھے پہنا دیا اور فرمایا ”اے بہاءالدین یہ خرقہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش ہے اور میں درمیان میں صرف ایک واسطہ کی حیثیت رکھتا ہوں۔ کسی کو بغیر اجازت نہیں دے سکتا۔ پھر حکم دیا کہ اب تم ملتان جا کر ہدایت خلق میں مصروف ہو جاؤ۔“

ایک نوجوان زمیندار 12 برس سے درود شریف پڑھ رہے تھے مگر حضوّر اقدس ﷺ کی زیارت نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ دل میں آپ ﷺ کے لئے بے پناہ محبت تھی بہت جتن کئے مگر گوہر مراد ہاتھ نہ آیا کہ حضوّر اقدس ﷺ مجھ سے ناراض ہیں لہٰذا ایسی زندگی سے کیا حاصل اور خودکشی کے لئے ایک درخت پر چڑھ گئے رسی کا پھندا گلے میں ڈالا اور دوسرا درخت کی ٹہنی سے باندھ کر کود پڑے۔ درخت سے لٹکے ابھی تڑپ ہی رہے تھے کہ محبوب رب العالمین ﷺ تشریف لائے اور انہیں کمر سے پکڑ لیا۔ رسی ٹوٹ گئی اور خواب میں دیدار کے خوش بخت تمنائی کو حالت بیداری میں ظاہری آنکھوں سے شرف زیارت حاصل ہو گیا مگر تاب دیدار نہ لاتے ہوئے گر کر بے ہوش ہو گئے۔

*****

شہید نبی کے تابع ہوتا ہے نبی شہید کے تابع نہیں ہوتے۔ جب شہدا زندہ ہیں تو قرآن پاک کے بیان کردہ اس قانون کے مطابق انبیاء بھی زندہ ہیں اور حضوّر پاک ﷺ جو تمام انبیاء کے سردار اور امام ہیں وہ بھی اسی طرح زندہ ہیں جس طرح اپنی حیات مبارکہ میں اس دنیا میں موجود تھے اور اب بھی اسی طرح موجود ہیں۔ درود شریف کے فضائل میں ہے کہ جب کوئی بندہ حضوّر پاک ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو سارے پردے ہٹ جاتے ہیں اور وہ بندہ براہ راست سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ مبارک کے سامنے آ جاتا ہے۔

حضور پاک ﷺ نُور تھے یا بشر اور آپ ﷺ کو غیب کا علم تھا یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضوّر پاک ﷺ کی امت میں دو گروہ کام کر رہے ہیں ایک گروہ حضوّر پاک ﷺ کے بارے میں دماغی سوچ و بچار سے کام لیتا ہے۔ یہ لوگ جب دماغ کو استعمال کرتے ہیں تو اس قسم کے سوالات ان کے دماغ میں ابھرتے ہیں کہ حضور نُور تھے یا بشر اور آپ ﷺ کو غیب کا علم تھا یا نہیں اور ایسی گستاخی بھی سامنے آتی ہے جب کچھ لوگ آپ ﷺ کو بڑے بھائی کا درجہ دے دیتے ہیں جس سے اسلام کی عمارت ہی ڈھیر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بڑے

بھائی سے اختلاف اور لڑائی بھی ہو سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ سے اونچی آواز میں بات کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

ارشاد مبارکہ ہے کہ:

*جو میرے محبوب سے محبت کرتا ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں۔

دوسرا طبقہ حضور پاک ﷺ سے دلی و قلبی تعلق رکھتا ہے۔ قلب اس لئے صحیح فیصلہ کرتا ہے کہ وہ دماغ کے مقابلے میں عقل کی بجائے نُور کا وجدان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں مومن کے دل میں رہتا ہوں یہ نہیں فرمایا کہ میں مومن کے دماغ میں رہتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ بشر بھی ہیں اور بحیثیت خاتم النبیین، رحمت اللعالمین اور اللہ کے محبوب!۔۔۔۔۔نور ہیں۔ اب اگر حضور پاک ﷺ بشر نہ ہوتے تو آپ ﷺ اپنی امت کی بشری کمزوریوں کے لئے کس طرح رہنمائی فرماتے؟ حضور پاک ﷺ بازار تشریف لے جاتے تھے، کاروبار کرتے، کھانا کھاتے تھے، آپ ﷺ نے شادی کی، نبی کریم ﷺ کے بچے بھی تھے، انہوں نے جہاد بھی فرمایا اس لئے کہ ان کے اندر بشری تقاضا موجود تھا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہمارے جیسے بشر تھے۔ بشری تقاضے موجود ہونا ایک الگ بات ہے اور ان کا استعمال کرنا الگ بات ہے۔ مثلاً ایک عام آدمی جب کسی بشری تقاضا کو استعمال کرتا ہے تو اس کے سامنے اس کی اپنی ذات، اولاد، بیوی یا ماں باپ ہوتے ہیں لیکن جب آپ رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کریں گے تو وہاں ایک ہی بات نظر آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بشری تقاضوں کی تکمیل بھی صرف اللہ کیلئے کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تو نہ صرف لوگوں نے آپ ﷺ کو بے پناہ تکالیف دیں بلکہ انہیں طرح طرح کی پیش کش کیں کہ بادشاہ بن جائیں، مال و زر قبول فرمالیں یا خوبصورت ترین لڑکی سے شادی کر لیں۔ لیکن رسول پاک ﷺ نے کسی بات کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ اللہ ایک ہے۔ یہ جو تم نے 360 بت بنا رکھے ہیں۔ یہ بیکار ہیں۔ یہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔ حضور پاک ﷺ کی پوری زندگی کے مطالعے سے ہم ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ حضور پاک ﷺ نے اپنی زندگی کے جس بشری تقاضے کو بھی پورا کیا اس میں ان کی اپنی ذات کے بجائے اللہ کی ذات شامل تھی۔ جبکہ ہمارے سامنے اپنی ذات کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

حضور پاک ﷺ میں بشری تقاضے یعنی بھوک، پیاس یا نیند نہ ہوتی تو نوع انسانی اس بات سے انکار نہیں کر سکتی تھی کہ یہ ہم میں سے نہیں یہ تو ماورائی مخلوق ہیں اور ہم ان کی پیروی کس طرح کریں۔ جیسے ہم فرشتوں کی تقلید نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں بھوک پیاس اور جنس کا جذبہ نہیں ہے۔ فرشتے الگ مخلوق ہیں اور انسان الگ مخلوق ہے انسان ان کی تقلید نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء بھیجے انہیں بشری تقاضوں کے ساتھ ایک عام انسان کی طرح دنیا میں پیدا کیا۔اسی نظام کے تحت ان کی پرورش ہوئی اور ان تمام جذبات کے ساتھ انہوں نے زندگی گزاری جو انسان کے اندر ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا ایک ایک عمل اور ہر ہر لمحہ اللہ کے لئے وقف تھا۔آپ ﷺ نے دیگر انبیاء کی طرح ان تمام بشری تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ نوع انسانی کو توحید کے پلیٹ فارم پر جمع کیا۔

پیغمبر بحیثیت بشر، یہ مشاہدہ رکھتا ہے کہ ہر چیز کا خالق اور رازق اللہ ہے جو ہر کام پر قدرت رکھتا ہے۔اس لئے پیغمبران علیہم السلام اپنی زندگی کے تمام تقاضے خالق کے ساتھ وابستہ رکھتے ہیں۔ جبکہ ایک عام بندہ کی زندگی کے تقاضے اس کی اپنی ذات برادری یا قوم تک محدود ہوتے ہیں۔عام انسان یہ تقاضے وسائل سے منسلک کرتا ہے۔

یہ کہنا کہ حضّور پاک ﷺ ہمارے جیسے بشر ہیں بے ادبی اور گستاخی ہے۔بشر تو ہیں لیکن ہمارے جیسے نہیں۔ حضّور پاک ﷺ باعث تخلیق کائنات اور نُورِ اول ہیں۔

حضور قلندر باباؔاولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے میں نے ایک مرتبہ سوال کیا تھا کہ حضّور پاک ﷺ کی بشریت تو سمجھ میں آتی ہے لیکن حضّور پاک ﷺ کا یہ ارشاد کہ سب سے پہلے میرا نُور بنا اور اس نُور سے کائنات بنی کا کیا مطلب ہے؟

آپؒ نے فرمایا کہ!

صورت یہ ہے کہ ایک اللہ ہے جو سارا نُور ہے۔اللہ نے اپنے اندر سے تھوڑا سا نُور نکالا اور اس سے ساری کائنات بنائی۔ جس نُور سے کائنات بنی ہے اس نُور کی اپنی کوئی بساط یا بنیاد تو ہونی چاہئے۔ تو پہلا نُور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے سے جدا کیا وہ حضّور پاک ﷺ کا نُور ہے اور کائنات حضّور پاک ﷺ کے نُور سے بنی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنایا ہے کہ تجلیات کے نزول کا پہلا قدم حضّور پاک ﷺ ہیں اور حضّور پاک ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے منبع انوار بنا دیا ہے، حضّور پاک ﷺ پر تجلیات و انوار، روشنی اور طاقت کا نزول ہوتا ہے اور ایک جنریٹر کی طرح آپ ﷺ اس نُور کو ساری کائنات میں تقسیم کر رہے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

الحمد للّٰہ رب العالمین

*سب تعریفیں اُس اللہ کے لئے جو عالمین کا رب ہے۔

یعنی اللہ عالمین کو تخلیق کر رہا ہے، عالمین کے لئے وسائل فراہم کر رہا ہے اور عالمین کو زندگی عطا فرما رہا ہے۔

اور حضوّر پاک ﷺ کے لئے قرآن پاک میں ارشاد ہے

وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين

*اے محمد ﷺ! ہم نے آپ کو عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

عالمین کا رب اللہ ہے۔ایک مکمل طاقت، توانائی، نُور علیٰ نُور ہے۔نُور ایسی روشنی ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔اللہ کی تجلی کے حامل رسول اللہ ﷺ ہیں۔جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود منتخب فرمایا اور منتخب کر کے سارے انوار اور روشنیاں حضوّر پاک ﷺ کے اندر منتقل کیں اور حضوّر پاک ﷺ سے ساری کائنات کو تقسیم کرائیں کیونکہ حضوّر پاک ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔۔۔۔۔۔ میں عالمین کا رب ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کو سارے عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور آپ ﷺ کے ذریعے حیات، وسائل، علم، صلاحیت یا کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ تقسیم کرتا ہوں۔کائنات ایک دنیا کا نام نہیں ہے بلکہ ہماری دنیا کی طرح اربوں دنیائیں ہیں۔میں نے کتاب قلندر شعور میں لکھا ہے:

*ایک کتاب المبین ہے۔

قرآن پاک میں کتاب المبین کا تذکرہ اس طرح ہے:

الرٰ۔ تلک آیت الکتاب المبین

*پھر لوح محفوظ ہے۔

بل هو قرآن مجيدoفی لوح محفوظ

اس طرح ان کا الگ الگ تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے۔

علم لدنی کے حامل، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے وارث، اہل بیت اور اولیاء اللہ روحانی علوم کی تشریح میں فرماتے ہیں:

*ایک کتاب المبین میں۔۔۔۔۔۔ تیس کروڑ لوح محفوظ ہیں۔

*ہر لوح محفوظ میں 80 ہزار حضیرے ہیں۔

*ہر حضیرے میں ایک کھرب مستقل آباد نظام شمسی ہیں۔

*ہر نظام شمسی میں سات، نو، گیارہ یا تیرہ سیارے اور ستارے ہیں۔

کمپیوٹر سے بھی حساب نہیں لگایا جا سکتا کہ ایک کتاب المبین میں کل کتنی زمینیں، کہکشانی نظام چاند اور سورج کی زندگیاں ریکارڈ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نظام میں انوار تقسیم کرنے کیلئے جس ذات کا انتخاب فرمایا وہ رسول اللہ ﷺ ہیں یہاں غور و فکر کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت للعالمین فرمایا، رحمت الدنیا نہیں کہا۔۔۔۔۔

*اے محمد ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ان عالمین میں انسانوں جیسی مخلوق بھی ہے اور دیگر مخلوقات بھی آباد ہیں۔ کہیں مخلوق ٹرانسپیرنٹ ہے۔ کہیں سیاہ ہے اور کہیں نُورانی ہے۔ ان تمام عالمین میں جہاں کہیں بھی یہ بے شمار مخلوقات آباد ہیں وہاں حضّور پاک ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔

آپ ﷺ اس مادی دنیا میں بشر ہیں اور اس دنیا میں جہاں روشنی کی مخلوق آباد ہے بحیثیت روشنی حضور ﷺ بشر ہیں۔ فرشتوں کی دنیا میں جہاں نُورانی مخلوق آباد ہے حضور ﷺ بحیثیت نُور بشر ہیں۔ یعنی حضور پاک ﷺ جس عالم میں ہیں چاہے وہ مادی عالم ہو، روشنی کا عالم ہو یا ٹرانسپیرنٹ عالم ہو، بحیثیت بشر کے موجود ہیں اور ان عالمین میں اللہ کی تجلیات و انوار مہیا کرنے کی حیثیت سے نُور بھی ہیں۔ الفاظ میں حضّور پاک ﷺ کی تعریف بیان نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

*اگر تمہارے سارے سمندر روشنائی بن جائیں

اور سارے درخت قلم بن جائیں

تو اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہیں ہو سکتیں

بے شک ہم ویسا ہی سمندر اور بھی لے آئیں

اللہ تعالیٰ، رب العالمین اور حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمت للعالمین ہیں۔ رب العالمین کے کلمات اور رحمت کی باتیں بھی ختم نہیں ہوتیں اور اگر رحمت للعالمین کی رحمت کو تلاش کیا جائے تو سارے الفاظ ختم ہو جائیں گے لیکن حضّور پاک ﷺ کی تعریف باقی رہے گی۔ شاعر نے بہت خوب کہا ہے کہ!

یا صاحب الجمال و یا سید البشر

من وجہک المنیر لقد نُور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقه

بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

اللہ کے بعد بزرگ ترین مقام رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ حضّور پاک ﷺ سے عقیدت کس طرح ہونی چاہیئے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایاہے کہ اللہ کی محبت حضور ﷺ کی محبت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی محبت اللہ کی محبت ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے۔ایک مرتبہ حضّور پاک ﷺ نے اللہ کی راہ میں مال دینے کی دعوت دی جس میں تمام صحابہ کرامؓ نے حصـــہ لیااور مسجـد نبوی میں سامان کا ڈھیر لگ گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم کیالائے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! گھر کا آدھا سامان خورد ونوش کے لئے چھوڑ کر سب لے آیاہوں۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم کیالائے ہوانہوں نے کہا! کہ میں توگھر کا سارا ہی سامان لے آیاہوں اور اہل خانہ کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت چھوڑ آیاہوں۔ یہ ہمارے لئے محبت وعقیدت کی ایک بے مثال۔۔۔۔۔۔مثال ہے۔

سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جتنی بھی محبت ہو سکے وہ کم ہے۔ہم آپ ﷺ کے عشق میں ڈوب جائیں اور عقیدت کو پالیں تو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ اگر حضّور پاک ﷺ سے عشق و محبت کا تعلق نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔اللہ تعالیٰ حضّور پاک ﷺ سے اپنی محبت اور تعلق کو قرآن پاک میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَه يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

*اللہ اوراس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں

اے ایمان والو! تم بھی محمد رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجو

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبه محمد و سلم

حضور پاک ﷺ ایسی برگزیدہ ہستی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اوران کے فرشتے بھی آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجتے رہتے ہیں اور مومنین سے بھی آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کے لئے کہا جارہاہے۔اللہ بہت مہربان اور محبت کرنے والی شفیق ہستی ہے اور وہ رحیم و کریم ذات اپنے محبوب حضّور پاک ﷺ سے محبـــت وعقیدت رکھنے والے امتی کی ضرور بخشش فرمائے گی۔ ہمیں اس نسبـــت سے حضّور پاک ﷺ کی محبت وعقیدت کو اپنے اتحاد اور اتفاق کے لئے بنیاد بنانا چاہیئے نہ کہ امت مسلمہ اس مسئلہ میں تفرقہ کا شکار ہو۔

اگر حضّور پاک ﷺ کا حقیقی تعلق نصیب ہو جائے تو پھر اس قسم کے خیالات ذہن میں نہیں آتے کہ حضّور پاک ﷺ نُور تھے یا بشر یا یہ کہ انہیں غیب کا علم تھا یا نہیں۔ وہاں تو صرف ایک ہی بات ذہن میں آتی ہے کہ حضّور پاک ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور یہ بڑے نصیب کی بات ہے کہ ہم حضّور پاک ﷺ کے امتی ہیں۔ وہ ہمارے آقا ہیں اور ہم ان کے غلام ہیں۔ ہمیں اس طرح

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت رکھنی چاہئے کہ وہ عشق کا رنگ لئے ہو اور عقیدت میں داخل ہو جائے۔ ہمارے لئے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ ہمیں سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت حاصل ہے۔ ہمیں نسبت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنے دل و دماغ اور ظاہر و باطن کو یکساں طور پر رنگین کرنے کی جدوجہد کرنی چاہئے۔

معراج النبی ﷺ

اس دنیا میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے ان سب نے ایک ہی بات کہی کہ اللہ ایک ہے۔اللہ خالق ہے اور بندے مخلوق ہیں۔اللہ ایک ایسی ہستی ہے جو مخلوق کو محبت سے پیدا کرتی ہے اور اتنی شفیق اور مہربان ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اس کی زندگی قائم رکھنے کیلئے تمام ضروریات اور زندگی کے لئے وسائل فراہم کرتی ہے۔اللہ نے ہمیں عقل و شعور دیا ہے اور نیک اعمال کی جزاء میں راحت و آرام کا مقام جنت بنائی ہے۔

تمام پیغمبر اور حضور پاک ﷺ ایک ہی بات کہتے رہے اور اس دعوت کا پرچار کرتے رہے کہ اللہ سے رشتہ جوڑو، اللہ کا شریک نہ بناؤ، بت پرستی نہ کرو، اللہ نے محبت کے ساتھ تمہاری تخلیق کی ہے اس لئے اللہ سے محبت کرو۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام توحید کی دعوت کے ساتھ ساتھ رسولِ پاک ﷺ کے بارے میں پیش گوئی کرتے رہے کہ سب سے آخر میں اللہ کے محبوب تشریف لائیں گے اور اللہ نے اپنے محبوب کے لئے جو انعام واکرام رکھے ہیں ہم سب تو اس کا ضمیمہ ہیں ہمارے بعد سب سے آخر میں ایک بندہ پر اللہ کے انعامات واکرامات کی تکمیل ہو گی جو دراصل اللہ کی پیش کردہ امانت کی تکمیل ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

*ہم نے اپنی امانت سماوات، زمین اور پہاڑوں کو پیش کی تو ان سب نے کہا کہ ہم اس امانت کو اٹھانے کے متحمل نہیں ہو سکتے اگر آپ نے یہ بار ہمارے کندھوں پر ڈال دیا تو ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور اس امانت کو انسان نے اٹھالیا۔بے شک انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

اللہ نے آسمان اور زمین کے اندر کتنی زبردست چیزیں بنا رکھی ہیں جن میں بے پناہ قوت اور صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔اسی طرح پہاڑ کتنی قوت رکھتے ہیں لیکن زمین، آسمان اور پہاڑوں نے کہا کہ ہماری صلاحیت نہیں ہے اور پہاڑ نے کہا کہ ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

آسمانوں میں فرشتے بھی ہیں جن میں گروہ میکائیل اور گروہ جبرائیل بھی شامل ہیں۔ان سب کو اللہ نے اپنی امانت پیش کی، ان میں سے انسان نے یہ امانت اپنے کندھوں پر اٹھالی بے شک انسان نے جلد بازی اور جہالت میں اپنے اوپر ظلم کیا۔

جب اللہ نے اپنی امانت پیش کی اور انسان نے اسے اٹھالیا تو پھر یہ اللہ کی مشیئت بن گئی کہ

اس امانت کی تکمیل ہو اور شعور انسانی اتنا طاقتور ہو جائے کہ یہ امانت پوری کی پوری اس کے اندر منتقل ہو سکے۔

شعور انسانی کے اندر سکت پیدا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے تاکہ آدم کی اولاد میں شعوری وسعت پیدا ہو سکے۔ آدم کے بعد دوسرے پیغمبر آتے رہے اور شعوری سکت جمع در جمع بڑھتی گئی۔ جب ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے شعور ایک جگہ جمع ہو گئے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار شعور کی مجموعی صلاحیت سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منتقل ہو گئی تو اللہ نے ان کے اوپر اپنی نعمت کی تکمیل کر دی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

*آج کے دن میں نے دین کی تکمیل کر دی

اور اپنی تمام نعمتیں آپ ﷺ پر پوری کر دیں

اور دین اسلام کو پسند کیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے اپنی نعمت پوری کر دی۔

نعمت پوری ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ صلاحیتوں کی تکمیل ہو گئی اور شعور اتنا طاقتور ہو گیا کہ حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام امانت کے امین بن گئے۔ اس کا عملی مظاہرہ واقعہ معراج ہے۔ شعور انسانی کی بلوغت اور وسعت کا یہ واقعہ بے مثال ہے۔ حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج اس لئے حاصل ہوئی کہ ان کی سکت وہمت ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی مجموعی سکت سے زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

*تارے کی قسم! جب وہ اترے

تمہارے رفیق نہ راہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں

اور نہ خواہش نفس سے کوئی بات کرتے ہیں

مگر وہی جو انہیں وحی کی جاتی ہے

انہیں نہایت قوت والے، طاقتور نے سکھایا

پھر اس نے اپنا جلوہ فرمایا

جب وہ آسمان بریں کے بلند تر کنارے پر تھے

پھر وہ قریب ہوئے

اور آگے بڑھے، دو کمانوں کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم

پھر اپنے بندے پر وحی فرمائی جو بھی فرمائی

دل نے جو دیکھا، جھوٹ نہ دیکھا

کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو

اور انہوں نے تو اس کو ایک بار اور بھی جلوہ فرما دیکھا

سدرۃ المنتہٰی کے پاس

اس کے نزدیک جنت الماوٰی ہے

جب سدرۃ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا

ان کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی

بے شک انہوں نے اپنے رب کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں

سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج سے اپنی امت کیلیئے الصلوٰۃ معراج المومنین کا تحفہ لے کر آئے۔

قرآن پاک میں ہے

*بے شک نماز فواحشات، منکرات اور برائیوں سے روکتی ہے۔

نماز قائم کر کے مومن کو مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا ہے اور فواحشات و منکرات سے بچ جاتا ہے۔ آج بے شمار لوگ نماز پڑھتے ہیں کیا وہ منکرات اور فواحشات سے بچے ہوئے ہیں؟ سمجھا یہ جاتا ہے کہ نماز اپنی جگہ اور بے ایمانی، دغا بازی، جھوٹ اپنی جگہ، نماز الگ کام ہے اور برائیاں الگ کام ہیں جبکہ ایک آدمی اگر نماز پڑھ کر فواحشات و منکرات سے نہیں بچا تو کسی بھی صورت اس نے نماز قائم نہیں کی۔ نماز کا مطلب اور پیمانہ ہی یہ ہے کہ انسان فواحشات اور منکرات سے بچ جائے۔

رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی معراج کے ساتھ ساتھ مومنین کی معراج کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

*نماز مومنین کی معراج ہے۔

نماز کے سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ 50 نمازوں سے 5 نمازوں کیلئے سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام 9 مقامات نیچے آ کر چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے واپس آتے جاتے رہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام مقام محمود پر فائز ہیں جو چھٹے آسمان سے 9 مقامات بلند ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہے۔

اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام یا درجہ کم کرنا مقصود نہیں لیکن غور کرنے کا مقام ہے۔۔۔۔۔ کہ چھٹے آسمان اور مقام محمود میں واضح فرق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات نعوذ باللہ عبث نہیں بلکہ حضّور پاک ﷺ کا ہر عمل اور ہر قول اللہ کی طرف سے ہے اور آپ ﷺ کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں، تو الصلوٰۃ معراج المومنین کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی انسان نماز کو پورے حقوق و آداب کے ساتھ قائم کرے تو اس کے اوپر غیب کی دنیا منکشف اور روشن ہو جاتی ہے۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا! کہ مومن کو مرتبہ احسان حاصل ہوتا ہے۔ مرتبہ احسان کیلئے حضّور پاک ﷺ نے فرمایا کہ احسان کے ایک درجہ میں مومن یہ دیکھتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور اعلیٰ درجہ میں مومن یہ دیکھتا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ مومن کو صلوٰۃ یا نماز کے ذریعے غیبی دنیا کا انکشاف ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے جب وہ اللہ کو دیکھتا ہے تو اللہ سے زیادہ اور بڑا تو کوئی غیب نہیں یہ تو سب جانتے ہیں کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے لیکن مرتبہ احسان کے پہلے درجہ میں یہ بات مشاہدہ میں آ جاتی ہے۔

الصلوٰۃ معراج المومنین کا مطلب یہ ہے کہ مومن صحیح معنوں میں پورے آداب کے ساتھ نماز قائم کرے تو وہ مرتبہ احسان میں داخل ہو جائے گا۔ آداب سے مراد یہ ہے کہ پاک صاف ہو، جگہ پاک ہو اور کپڑے بھی صاف ستھرے ہوں، قبلہ رو ہو یہ نماز کے ظاہرہ یا جسمانی آداب ہیں۔ لیکن نماز کے روحانی آداب بھی ہیں وہ یہ کہ نماز میں مکمل یکسوئی ہو اور آپ کے اندر یہ کیفیات مرتب ہوں اور آپ یہ محسوس کریں کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔

الصلوٰۃ معراج المومنین ان بندوں یا مومنین کو حاصل ہوتی ہے جو نماز کے ذریعے اپنا تعلق اللہ سے قائم کر لیتے ہیں۔ حضّور پاک ﷺ کی معراج یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ اس طرح قائم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے راز و نیاز کی باتیں کی۔ مومن کی معراج اور حضّور پاک ﷺ کی معراج میں فرق ہے۔

حضور پاک ﷺ کو اللہ تعالیٰ تک جو قربت حاصل ہوئی وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو نہیں ملی۔ مسلمان بھی اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ مقام محمود میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بیٹھ کر راز و نیاز کی باتیں کر سکتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کا امتی اللہ کی صفات کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ آپ ایک آدمی کے نام سے واقف ہیں اور دوسرے آدمی کو ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ دونوں

صورتوں میں بہت فرق ہے۔ جیسے آپ ایک ادیب کی تحریر سے متاثر ہو کر اسے جانتے ہوں اور دعویٰ کریں کہ میں اسے جانتا ہوں جبکہ دوسرا فرد اس ادیب کے ساتھ شب و روز رہتا ہو اس کے روز مرہ کے معمولات اور دلچسپیوں سے واقف ہو اور اس کا ذاتی دوست ہو، اس دوسرے فرد کو زیادہ قربت ہو گی۔

واقعہ معراج میں جو سعادت اور قرب رسول اللہﷺ کو ملا وہ آپﷺ ہی کے لئے مخصوص ہے بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے صرف رسول اللہﷺ ہی کو یہ گوہر مقصود ملا۔ معراج میں آپﷺ اللہ تعالیٰ کی دوستی سے مشرف ہوئے اور صلوٰۃ کی صورت میں مومنین کے لئے معراج لے کر آئے۔

معراج النبیﷺ کے سلسلے میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ نماز مومنین کے لئے معراج ہے۔ صلوٰۃ کے ذریعے مومنین کو اللہ کی دوستی کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ اصل معراج تو بہت بڑا درجہ ہے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے صرف حضرت محمدﷺ کو حاصل ہوئی۔

*رسول اللہﷺ کی طرز فکر بھی مومنین کے لئے معراج ہے۔

*****

مراقبہءشبِ معراج

اس رات ادب و احترام سے تمام آداب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ یا حی یا قیوم اور درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ پھر رسول پاک ﷺ کے روضہ اقدس کا مراقبہ کریں یا رسول پاک ﷺ کا تصور کر کے مراقبہ کریں اور جس طرح واقعہ معراج بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ تمام انبیاء نے آپ ﷺ کی اقتداء میں صلوٰۃ قائم کی اور پھر آپ ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے۔ جس طرح بھی سمجھ آئے آنکھیں بند کر کے اس واقعہ کو اپنے دماغ میں دہرائیں اور نوافل پڑھیں۔

مسلمان جتنے بھی گناہگار ہوں لیکن بہر حال حضّور پاک ﷺ کے امتی ہیں اور اس سعادت سے انہیں حضّور پاک ﷺ کی نسبت حاصل ہے۔ اس سعادت اور نسبت کو ذہن میں رکھتے ہوئے معراج کے واقعہ کا تصور کریں کہ رسول پاک ﷺ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے اور وہاں تمام انبیاء جمع ہیں۔ حضّور پاک ﷺ نے امامت کرائی اور پھر آسمانوں سے گزر کر حق تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ جنت و دوزخ ملاحظہ فرمائی اور پھر واپس تشریف لائے۔ فلم کی طرح اس واقعہ کو ذہن میں دھرانے سے دماغ یکسو ہو جاتا ہے اور اللہ کی تجلی کا دیدار ہو جاتا ہے۔

حضور پاک ﷺ کو نوافل ادا کرنے کا بہت شوق تھا۔ آپ ﷺ اتنی لمبی لمبی رکعت ادا کرتے تھے کہ پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔ شب معراج میں حسب استطاعت زیادہ سے زیادہ نوافل قائم کریں۔ جب مومن پوری ذہنی یکسوئی کے ساتھ صلوٰۃ قائم کرتا ہے تو غیب اس کے مشاہدہ میں آ جاتا ہے۔

معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضّور پاک ﷺ کو بشری لباس میں اپنا دیدار کرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے بشری تعارف کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے اور سب سے آخر میں سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں بشری صورت میں تشریف لائے۔ واقعہ معراج میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسی صورت میں اپنا دیدار کرایا ہے۔

ہمیں حضّور پاک ﷺ کی محبت اپنی زندگی میں داخل کرنی چاہیے۔ شب معراج بڑی بابرکت گھڑی ہے۔ اس ساعت اپنے گناہوں کی سیاہ بختی دور کر کے اس پردے کو ہٹانا چاہیئے جو محدودیت اور شقاوت کا باعث بن گیا ہے۔ کلمہ گو مسلمان کی حیثیت سے ہر ایک نے

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت دی ہوئی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا اعجاز ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رحمت و کرم ہم پر محیط ہے۔

اس نسبت سے ہمارے اندر موجود نُور نبوت میں حرکت پیدا ہو جائے تو ہماری روح نُور نبوت سے لبریز ہو کر معراج کے انوارات سے منور ہو جائے گی۔

مقامِ محمود

اللہ تعالی نے یہ کائنات اپنے حبیب اور بر گزیدہ ہستی حضرت محمد مصطفیﷺ کیلئے تخلیق کی ہے۔کائنات میں خالق اور مخلوق دو ہستیاں سامنے آتی ہیں۔اللہ تعالی نے اس نظام کو قائم رکھنے کے لئے اپنے اور مخلوق کے درمیان ایک ایسی ہستی کو پردہ، واسطہ یا میڈیم بنایا جو خالق سے قریب ترین، لیکن مخلوق ہے۔

رسول اللہﷺ کا ارشادِ عالی مقام ہے۔

اول ما خلق اللّٰہ نوری

*اللہ نے سب سے پہلے میرا نُور تخلیق کیا۔

اللہ تعالٰی نے قرآن پاک میں اپنی صفات کا بیان فرمایا ہے۔

ھولااوّل و الآخر و الظاھر والباطن

*کائنات کی ابتداء بھی میں ہوں۔اس کائنات کی انتہا بھی میں ہوں اس کائنات کا ظاہر اور باطن بھی میں ہوں۔

الا انه بكل شئ محیط

*ایک احاطہ اور دائرہ ہے وہ دائرہ اللہ ہے تم اس کے بیچ میں ہو اللہ نے ہر شئے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ

*اللہ غیب اور شہود دونوں کو جانتا ہے۔وہ نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

کوئی چیز مجھ سے مخفی نہیں ہے۔جو تم مجھ سے چھپاتے ہو وہ میں جانتا ہوں اور جو تم کرتے ہو وہ سب میرے علم میں ہے۔

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

*میں تمہاری رگ جان سے زیادہ قریب ہوں۔

قریب بھی نہیں بلکہ اقرب

اقرب کا مطلب ہے جس میں فاصلہ کا تعین نہ کیا جاسکے۔فاصلہ تو ہے لیکن اتنا کم ہے کہ اسے ملی میٹر میں بھی ناپ نہیں سکتے۔

و فی انفسکم افلا تبصرون

*میں تمہارے اندر موجود ہوں۔۔۔۔۔دیکھتے کیوں نہیں؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں!

*جب تم سنتے ہو تو میری سماعت سے سنتے ہو، جب تم بولتے ہو تو میرے نطق سے بولتے ہو۔ جب تم سوچتے ہو تو میرے فواد سے سوچتے ہو۔

اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض

*اللہ آسمانوں اور زمین کا نُور ہے۔اس نُور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے جس میں ایک چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل گویا موتی کی طرح چمکتا ہوا تارہ ہے۔اس میں ایک مبارک درخت زیتون کا تیل جلایا جاتا ہے وہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔اس کا تیل خواہ اسے آگ نہ بھی چھوئے روشن ہے۔نُور پر اعلیٰ نُور۔اللہ جسے چاہتا ہے اپنا نُور دکھا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے نُور علیٰ نُور یعنی نُور سے اعلیٰ نُور فرمایا ہے۔عالم ارواح میں مخلوقات کی پہلی بنیاد اللہ نور السموات والارض ہے۔

زمین، آسمان اور کائنات کی تخلیق کا پہلا مرحلہ اللہ کا نُور ہے۔نُور کائنات کی بنیاد اور پہلا نقطہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے کائنات سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا نُور بنایا۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ کائنات کا سب سے پہلا فرد میں ہوں اور میری تخلیق نُور سے ہوئی ہے یعنی میں اللہ کا نُور ہوں۔اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا نزول سب سے پہلے سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوتا ہے اور نُور کو نُور قبول کرتا ہے۔نُور اول سے دوبارہ نزول ہوتا ہے تو نُور روشنی میں بدل کر مخلوقات بنتا ہے۔

جب اللہ نے چاہا کہ کائنات بن جائے تو کائنات اور اپنے درمیان ایک پردہ قائم رکھا۔تاکہ خالق اور مخلوق الگ الگ ہستی کے طور پر متعارف ہوں۔رسول اللہ ﷺ کائنات اور اللہ کے درمیان ایک پردہ ہیں۔سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام بحیثیت مخلوق کائنات کا رخ اول ہیں۔

پہلے اللہ وحدہ لاشریک ہے پھر اللہ تعالیٰ کے اس تخلیقی نظام میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نُور ہے اور اس کے بعد ساری کائنات ہے۔اس طرح کائنات میں دو ہستیاں معزز و محترم ہوئیں۔ایک پیدا کرنے والی ہستی اور ایک وسائل کو مخلوق میں تقسیم کرنے والی ہستی۔ایسی ذات جس سے پوری کائنات میں رحمت تقسیم ہوتی رہے۔

اول ماخلق اللہ نُوری میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ آیات بھی ہیں۔

*اللہ کی طرف سے آیا نُور اور کتاب مبین

*اس نُور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے

*اے لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے دلیل آ چکی ہے۔ ہم نے تمہاری طرف وہ نُور اتارا ہے جو ہر چیز کو روشن کرتا ہے

*اے نبی ﷺ ہم نے تم کو بھیجا، خوشخبری سنانے والا، چوکنا کرنے والا، خدا کی طرف۔۔۔۔۔اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر۔

میرے پیارے نبی ﷺ، ہم سب کے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کی رحمت سے کائنات میں روشنی ہے۔ کائنات میں حیات ہے۔ رحمت للعالمین کی رحمت سے مخلوقات میں زندگی اور حرکت تقسیم ہوتی ہے، نُور آسمانوں اور زمین میں زندگی فیڈ کرتا ہے۔

*اے لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے دلیل آچکی ہے

*ہم نے تمہاری طرف وہ نُور اتارا ہے جو ہر چیز کو روشن کرتا ہے

مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے جب میں نے ان آیات کی تفسیر پوچھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رب العالمین اور اپنے محبوب بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے لئے رحمت للعالمین فرمایا ہے تو رب العالمین اور رحمت للعالمین میں کیا فرق ہے؟

میرے مرشد کریم نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

اول ما خلق اللّٰه نوری

کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جب اس کائنات کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو تخلیق فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کو مقام محمود میں جگہ عطا فرمائی جہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے علاوہ کسی بندے کی پہنچ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کائنات کے لئے کوئی حکم نازل فرماتے ہیں یا کُن کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور اس کی ربوبیت کے انوارات پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرماتے ہیں اور

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

کے تحت اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال اور عظمت کو رحمت میں تبدیل کر کے عالمین میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

*رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسری کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے جلال، عظمت، تجلیات اور انوارات کو براہ راست برداشت نہیں کر سکتی۔ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام باعث تخلیق کائنات ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے، جب اللہ تعالیٰ کُن فرماتے ہیں تو کُن کی تمام تجلیات اور پوری مشیئت مقام محمود پر سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہن مبارک میں آکر رک جاتی ہیں اور مقام محمود سے لہروں کی صورت میں تبدیل ہو کر کائنات کو تخلیق کرتی ہیں۔

اس کی وجہ بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس کائنات کو بنایا تو اللہ تعالیٰ کے ذہن میں جو کچھ تھا۔۔۔۔۔۔ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں جو تجلیات، انوارات اور مشیئت موجود تھیں وہ سب ''کُن'' کے بعد مظہر بن گئے۔ اللہ تعالیٰ یہ جانتے تھے کہ کائنات تجلیات کو براہ راست برداشت نہیں کر سکتی۔ کائنات میں انسان، فرشتے، جنات، حیوانات، نباتات، جمادات سب شامل ہیں۔ سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر کیا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں میں اپنے مقام سے ذرہ برابر اوپر نہیں ہو سکتا۔ مجھے تو جو پیغام ملتا ہے وہ بصورت وحی لے آتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلی براہ راست اگر حضرت جبرائیل علیہ السلام پر نازل ہو جائے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پر جل کر راکھ ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ یا اللہ! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔

ارشاد ہوا! اس پہاڑ کی جانب دیکھو! اگر تم قائم رہ جاؤ تو دیکھ لینا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پہاڑ کی طرف دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی کا نزول کیا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تجلی کو برداشت کر سکے اور نہ پہاڑ اس تجلی کو برداشت کر سکا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تجلی کو برداشت نہ کر سکے تو سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی اور مخلوق کیسے اس تجلی کو براہ راست برداشت کر سکتی ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے واقعہ معراج کے متعلق قرآن پاک میں بیان ہے۔

*پھر اس نے اپنا جلوہ فرمایا۔ جب وہ آسمان بریں کے بلند تر کنارے پر تھے۔ پھر وہ قریب ہوئے اور آگے بڑھے، دو کمانوں کے فاصلے پر یا اور بھی کم۔

نظام کائنات پر تفکر کیا جائے اور ان لوگوں سے رہنمائی ملے جو اس نظام میں بحیثیت ایڈمنسٹریٹر کام کر رہے ہیں تو وہ کہتے ہیں ''کُن'' ختم نہیں ہوا۔ ''کُن'' ازل سے جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں جو پروگرام ہے وہ مسلسل نشر ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پروگرام میں جلال، جمال، عظمت اور جبروت ہے۔ کائنات میں سیدنا حضّور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی ہستی کے اندر اتنی سکت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کُن کہنے پر کائنات کے اس جاری و ساری پروگرام کی تجلیات کو براہ راست قبول کر سکے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک پاور ہاؤس سے بجلی بن کر ہائی ٹینشن تاروں کے ذریعے گرڈ اسٹیشن آتی ہے اور گرڈ اسٹیشن سے گیارہ ہزار کلو واٹ تار کے ذریعے ٹرانسفارمر میں آتی ہے۔ ٹرانسفارمر سے دو سو واٹ تک کم ہو کر گھر میں بلب روشن کرتی ہے۔ گرڈ پاور ہاؤس سے براہ راست بلب روشن کیا جائے تو بیس ہزار واٹ کا بلب بھی فیوز ہو جائے گا اور جل کر راکھ ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تجلی کو ہائی ٹینشن برق فرض کر لیا جائے تو جب تک اس کی قوت کم نہیں ہو گی، برداشت کے دائرہ سے باہر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے نظام کیلئے وسائل کی تقسیم ضروری ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو ذخیرہ کر کے سارے نظام میں پھیلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالق ہیں جس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور مخلوق میں ضروریات اور تقاضوں کی احتیاج رکھ دی اور ان ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل کے لئے وسائل بھی تخلیق کر دیئے۔ مخلوق کو زندہ رکھنے، پروان چڑھانے اور مخلوق کے جذبات و احساسات کی آبیاری کیلئے ایک نظم کے تحت وسائل کا نظام جاری و ساری کر دیا۔ اس نظام میں تواتر، توازن اور ترتیب قائم کی تاکہ مخلوق بیزاری و اکتاہٹ محسوس نہ کرے۔ مخلوق کو یہ وسائل اس طرح میسر ہیں کہ ضروریات کی کفالت بھی کرتے ہیں اور آنکھوں سے اوجھل بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اگر یہ وسائل آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں تو مخلوق میں بیزاری پیدا ہو جائے اور ان کے اندر وسائل کی طلب کم ہو جائے۔ اس فارمولے پر غور کرنے سے یہ نتیجہ مرتب ہو گا کہ مخلوقات میں جمادات، نباتات، حیوانات، ارض و سمٰوات اور انسان سمیت پوری کائنات کی زندگی، غیب و شہود دو رخوں پر قائم ہے۔ آسان الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ پوری کائنات فنا و بقا پر قائم ہے۔

اگر فنا نہ ہو تو بقا نہیں ہو گی اور اگر بقا نہیں تو فنا نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں فنا و بقا کا جو نظام بنایا ہے یہ دراصل ایک عمل ہے۔ اسے ہم کائنات کی حرکت اور کائنات کا تغیر کہہ سکتے ہیں۔ خالق اس ہستی کو کہا جاتا ہے جس میں تغیر نہیں ہوتا اور کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ مخلوق کے اندر تغیر ہوتا ہے۔ مخلوق کا مطلب ہے۔۔۔۔۔ احتیاج جبکہ خالق میں کسی قسم کی احتیاج، تغیر، تبدیلی یا تعطل نہیں ہوتا۔ خالق کی شناخت مخلوق سے برعکس ہے۔

o خالق کسی کا باپ نہیں، کسی کی اولاد نہیں، خالق کو بھوک پیاس نہیں لگتی، وہ کسی گھر کا محتاج نہیں۔ اس کا کوئی خاندان نہیں ہے۔

آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم، لا تا خذہ سنتہ ولانوم

oاللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں

حیی وقیوم۔۔۔۔۔۔خود زندہ اور قائم ہے

اسے نیند آتی ہے اور نہ اونگھ

یعنی اس میں کوئی تغیر و تبدیلی نہیں ہے۔

خالق اور مخلوق کے رشتے کو برقرار رکھنے کیلئے ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جس میں ایسا تغیر ہو جو معطل نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

فلن تجد لسنت اللّٰه تبديلا

و لن تجد لسنت اللّٰه تحويلا

*سو تم اللہ کی سنت میں تبدیلی نہ پاؤ گے

اور نہ کبھی اللہ کی عادت میں تغیر دیکھو گے۔

اللہ کے نظام میں نہ کوئی تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اس کائنات کو بنانا چاہا تو کہا

کُن o ہو جا

فیکون o ہو گیا

کن کے اندر لا محالہ یہ راز مخفی ہے کہ خالق کچھ چاہ رہا ہے اور پھر خالق نے جو کچھ چاہا وہ ہو گیا تو کائنات بن گئی۔ یعنی ارض، سماوات، عالمین، انسان، جنات، فرشتے، حیوانات، نباتات، جمادات جو بھی مخلوقات ہیں سب وجود میں آ گئیں۔ اس دنیا میں جتنے بھی لوگ موجود ہیں وہ سب جسمانی وجود رکھتے ہیں۔ جسمانی وجود روح کے تابع ہے۔

*روح اللہ کا امر ہے۔ اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے۔ ہو جا۔ اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔

ازل میں اللہ تعالیٰ نے "کن" کہا تو پہلی تخلیق سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہوئی۔ پیدائش کا مطلب یہ ہے کہ روح اپنے لئے ایک وجود بنا کر اس دنیا میں اپنا مظاہرہ کرتی ہے۔ بچہ میں اگر روح نہ ہو تو وہ بچہ مردہ کہلائے۔ روح جسم کی تشکیل اور پیدائش کے بعد جسم کو بڑھاتی رہتی ہے۔ لیکن بڑھنے سے پہلا جسم غائب ہوتا رہتا ہے۔

ہر پہلے منٹ کو فنا ہے تو دوسرے منٹ کو بقا ہے۔ ہر تیسرے منٹ کو فنا ہے تو چوتھے منٹ کو بقا ہے۔ فنا غیب ہے اور بقا شہود ہے۔

ساری کائنات غیب اور شہود کی ایک بیلٹ پر چل رہی ہے جو چیز کبھی شہود ہوتی ہے وہ غیب میں چلی جاتی ہے۔

فنا، بقا اور غیب و شہود کا یہ سلسلہ بالآخر ٹوٹ جاتا ہے۔ شہود اس طرح غیب میں چلا جاتا ہے کہ آدمی باوجود حیات کے اس دنیا میں نظر نہیں آتا۔ میری والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا، مجھے وہ بہت پیار کرتی تھیں میں انہیں بہت یاد کرتا ہوں۔ خواب میں مجھے ملتی ہیں میرا بہت خیال رکھتی ہیں اور یہاں آکر میرا تحفظ کرتی ہیں۔ لیکن میری والدہ صاحبہ اب شہود میں نہیں غیب میں ہیں۔ آج میں آپ کے سامنے ہوں ایک روز یہ شہود بھی غیب میں چلا جائے گا۔ اس طرح یہ ساری کائنات غیب اور شہود پر قائم ہے۔

غیب کیا ہے؟

غیب اللہ ہے!

شہود کیا ہے؟

شہود رسول اللہ ﷺ ہیں!

غیب میں تغیر نہیں! شہود میں تغیر ہے۔

غیب اور شہود دونوں ایک دوسرے سے اس طرح چپکے ہوئے ہیں کہ غیب کو شہود سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ شہود کو غیب سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ 40 سال کے ایک فرد سے اس کے بچپن کے 2 ماہ الگ نہیں کر سکتے۔ اس کی جوانی علیحدہ نہیں کر سکتے۔ 70 سال کی عمر تک کون سی علامت ہے جو بدل نہ گئی ہو، چہرے کے نقش و نگار، خد و خال ہر چیز تبدیل ہو گئی ہے۔ وہ بچہ جس کا نام رکھا گیا تھا وہ غیب میں چلا گیا لیکن شناخت کس بات پر قائم رہی؟ غیب پر، اس کا مطلب ہے کہ غیب ہی بنیاد اور اصل ہے۔ شہود اس غیب کا مشاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائناتی سسٹم کو غیب اور شہود پر متحرک رکھا ہوا ہے۔ جب کائنات کی زندگی زیر بحث آتی ہے تو حیات و ممات اور ان کے وقفوں میں زندگی زیر بحث آتی ہے۔ معصوم بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا یہ سب زندگی کی تقسیم ہے اور اس میں شہودی کیفیات اور زندگی کی تقسیم ہے چونکہ شہود بذات خود متغیر شئے ہے اس لئے متغیر شئے کو قائم رکھنے کیلئے بھی متغیر چیزیں درکار ہیں۔

ان میں دن رات شامل ہیں۔ کروڑوں سال سے دن رات باری باری بدل بدل کر آ رہے ہیں، کبھی رات ہو جاتی ہے، کبھی دن آ جاتا ہے۔ لاکھوں سال سے آپ گندم کھا رہے ہیں جو موسم کے حساب سے کبھی غیب میں چلی جاتی ہے اور پھر دوبارہ موجود ہو جاتی ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے جو حیات و ممات کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ حیات و ممات کو قائم رکھنے کیلئے مخلوق کو ایک نظام کے تحت وسائل کا پابند و محتاج رکھنا ضروری ہے جہاں ہم سب ہوا، پانی اور کھانے پینے کے محتاج ہیں اور اگر پانی یا ہوا نہ ہو تو زمین مردہ ہو جائیگی۔ مخلوق ختم ہو جائے گی۔

اصل حیثیت روح کی ہے۔ روح کے بغیر مادی جسم کی کوئی حیثیت نہیں۔ روح کے بغیر مادی جسم کی حیثیت لاش جیسی ہے۔ جب تک روح مادی جسم کو سنبھالے رکھتی ہے آدمی زندہ رہتا ہے اور جب روح مادی جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمہ صفت پیدا فرمایا ہے۔

حسن یوسفؑ ، دم عیسیٰؑ ، ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ داری، تو تنہا داری

یعنی حضرت یوسفؑ کا حسن، حضرت عیسیٰؑ کا دم یا روح جس سے وہ مردے زندہ کر دیتے تھے اور حضرت موسیٰؑ کا معجزہ ید بیضا جس کے ذریعے وہ اپنا بغل میں رکھتے اور باہر نکالتے تو سورج کی طرح روشن ہوتا تھا۔ جتنے بھی پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے ان سب کی تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے

*آج کے دن دین کی تکمیل ہو گئی اور

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر اپنی تمام نعمتوں کو مکمل کر دیا

جب ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی تعلیمات سے نوع انسانی کا شعور آشنا ہو گیا اور اس شعور میں اتنی سکت پیدا ہو گئی کہ وہ دین کی تکمیل کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران کرام کے اعلان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس دنیا میں بھیج دیا تا کہ اللہ اور مخلوق کے درمیان جو واسطہ (میڈیم) عالم ارواح میں تھا وہ عالم شہود میں ظاہر ہو جائے۔

میرے دوستو!

o ہم اگر اللہ کو دیکھنا چاہتے ہیں

○اللہ کی آواز سننا چاہتے ہیں

○اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنا چاہتے ہیں

تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی روح سے واقف ہو جائیں۔

جو انسان اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ اور سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قلبی و روحانی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

کلمہ پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی امت میں داخل ہونا ابتدائی عمل ہے اب ہمیں یہ کوشش کرنی ہے کہ اس مادی و زبانی تعلق کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ہمارا روحانی تعلق بھی قائم ہو جائے اور اس کا طریقہ تفکر یا مراقبہ ہے۔ جس آن یا جس گھڑی روحانی تعلق قائم ہو جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضری ممکن ہو جاتی ہے اور ایسے لوگ سیدنا حضوّر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منظور نظر ہو جاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر صلوٰۃ والسلام عرض کر سکتے ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ!

صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے عملی پہلو پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

کتاب

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں قرآن پاک کے تخلیقی قوانین، سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام اور سیرت طیبہ کے روحانی پہلو پر مرشد کریم الشیخ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ عالی، خانوادہ سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے ارشادات کو جمع کیا گیا ہے۔ ان ارشادات پر تفکر سے انسان کے اندر موجود غیب کے عالمین اس طرح روشن ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے اصل مقام اور امانت الٰہی سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک کی آیات پر غور و فکر اور مشاہدہ سے انسانی ذہن اور علم کو وسعت ملتی ہے اور وہ زماں و مکاں کی پابندی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ صدیوں پر محیط عالمین کا سفر، چند لمحات میں مکمل ہو جاتا ہے۔ اس شعوری ارتقاء سے انسان کی سکت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنی ذات پر محیط، اپنے من میں موجود، اپنی رگ جاں سے قریب ہستی۔۔۔۔۔اللہ کی صفات کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔

مرشد کریم کے ذریعے سالک کا تعلق سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قائم ہو جاتا ہے اور بے شک سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ذات اکبر۔۔۔۔۔اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے قائم ہے۔

******